افسانچے

علامہ برجموہن دتاتریہ کیفی

عبدالحق اکیڈیمی

اشاعت منزل اردو گلی حیدرآباد (دکن)

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار

عرضِ ناشر

عبد الحق اکیڈیمی کا ہمیشہ یہ مطمح نظر رہا ہے کہ وہ آپ کو ہندوستان کے مایۂ ناز ادیبوں اور اردو کے جلیل القدر خادموں سے روشناس کرائے۔

اس مرتبہ اردو کے بے مثل ادیب علامہ دتاتریہ کیفی کے افسانچے "افسانچے" کے نام سے پیش کیے جا رہے ہیں۔

علامۂ موصوف ادبی دنیا کے بہت ہی مشہور و مقبول مصنف ہیں، اُن کے تفکر کی پختگی و رسیدگی ان کے افسانوں کی جان ہے، وہ جو کچھ مطالعہ یا محسوس کرتے ہیں اسی کو اپنے افسانوں میں

دل نشین طرز نگارش سے سموتے ہیں۔

اُن کے ادب میں تفریحی حصّہ کم اور تعمیری حصّہ زیادہ ہے، مگر پھر بھی ان کی کہانیوں میں ایک انوکھی دلکشی اور بے پایاں جاذبیت ہے، جس سے پڑھنے والا محسوس کیے بغیر یوں ہی سرسری طور پر نہیں گزر سکتا۔

اُن کے افسانوں کے ساز میں رواداری، مشرقی تہذیب کی علم برداری، پریم و محبت کے وہ دلرُبا نغمے پنہاں ہیں جو انسان کے دل و دماغ کو متاثر کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔

وہ اپنے افسانوں میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بہت ہی خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں، اور معنی و الفاظ کی ہم آہنگی، سلاست و روانی، اور الفاظ کی ترتیب و نشست اندازِ بیان کی قوت سے اپنے افسانوں کو ایسا مرصع بناتے ہیں کہ پڑھنے والے کے منہ سے بے اختیار صدائے تحسین نکل جاتی ہیں۔

یہ اُن بے شمار خصوصیتوں میں سے چند خصوصیتیں ہیں جنہیں ہم نے علامہ موصوف کے اِس نظر نواز مجموعہ میں محسوس کیا۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ اِس کتاب کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوں گے۔

علی شبّر حاتمی

افسانے کا افسانہ

افسانچہ نویسی پر ایک نظر

پُرانی داستانوں کو قصّہ یا کہانی جو چاہیں کہیں لیکن آج کل فسانہ یا افسانہ کا اطلاق اُس کہانی پر ہوتا ہے جسے ناول کہا جا سکے ناول یا افسانہ لکھنا سب مانتے ہیں فسانۂ آزاد سے شروع ہوا۔ اُردو ادب، میں یہ پُرانی چیز نہیں اس لیے اس میں بہت سی بدعنوانیوں اور خامیوں کا ہونا ناگزیر ہے۔

افسانچہ لکھنا افسانہ لکھنے سے زیادہ مشکل اور دقّت طلب ہے۔ جیسے تمام اصناف شعری میں رباعی لکھنا مسلّمہ طور پر نہایت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح نثر کے تمام اصناف میں افسانچہ لکھنا نہایت ہی مشکل ہے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ جو شاعر اچھا قصیدہ نظم کر سکے وہ اچھی

رُباعی بھی لکھ سکے۔ خاقانی اور انوری، سودا اور ذوق کے نام آپ نے قصیدہ کے تذکرہ میں سُنے ہیں۔ لیکن رُباعی کے تذکرہ میں عمر خیام اور سرمد ہی کا نام سُننے میں آیا۔ اساتذہ نے رُباعی کی طرف بہت ہی کم کہہ سکتے ہیں۔ تمام اصناف نظم سے کم۔ توجہ کی وجہ یہ کہ رُباعی کہنا نہایت ہی مشکل۔ خدا پریم چند کو سلامت رکھے کہ انھوں نے اُردو دُنیا کو یہ راستہ دکھایا۔ ہمارا رُوئے سخن افسانچہ کی طرف ہے۔

افسانچہ لکھنا واقعی دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے۔ لیکن یہ کوزے میں بند کیا ہوا دریا پانی کا صرف ایک چلّو نہیں ہونا چاہیے بات جب ہے کہ دریا کی لہریں، اُس کے بھنور۔ اس کی روانی وغیرہ تمام حقایق کوزے میں سما جائیں اور یہ کارے دارد۔ اس لیے چند خیالات اس موضوع سے متعلق ظاہر کیے جائیں گے۔ جن کی نسبت یہ ادّعا ہرگز نہیں کہ انھیں کُلیے کی حیثیت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ریاضی میں خط کی تعریف ہے ایک طول بغیر عرض کے۔ افسانچے کی تعریف

میرے نزدیک ہے ایک عرض بغیر طول کے۔
مبادیات افسانچہ کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہو گا کہ دنیائے ادب میں ڈراما سے کوئی چیز اس قدر ملتی جلتی نہیں جتنا افسانچہ ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ افسانچہ میں مصنف یا راوی اصل پلاٹ سے اس طرح بالکل علیحدہ نہیں رہ سکتا جس طرح ڈراما میں رہتا ہے۔ پھر بھی افسانچہ نویسی کا انتہائی کمال یہی سمجھا جاتا ہے کہ راوی اس سے بے واسطہ رہے۔ یہ کیا ہوا کہ پہلے ایک صفحہ میں مصنف نے پلاٹ کے ہر رُکن کا زائچہ بلکہ برکھ بھگل بھی کھینچ کر رکھ دیا۔ پھر مکالمہ شروع ہوا۔ کہتے ہیں "مس فلاں اپنے امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے" ظاہر ہے کہ وہ لاڈلی بگاڑی ہوئی اور تنک مزاج وغیرہ وغیرہ ہوگی۔ "۔۔۔ کا خاندان پشتوں کا امیر تھا۔ مگر اب نہایت افلاس اور کس مپرسی کی حالت میں ہو گیا" ظاہر ہے۔ اس خاندان کا ایک رُکن جو پلاٹ کا حصہ دار ہے خود دار اور غیرت والا ہو گا۔ اگر اُسے مستحسن کیریکٹر دیا گیا ہے ورنہ آوارہ اور ناہنجار ہو گا۔ جیسے کہ لُٹے کھُسے خاندانوں

کے ممبر عموماً ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے نہایت اہم اور لازمی ہے کہ راوی اپنے پلاٹ کے کسی ممبر کو خود کیرکٹر نہ دے۔ جس طرح ایک مالا میں دانوں کے مابین ایک چھوٹی سی گرہ ہوتی ہے تاکہ دانے آپس میں گڈمڈ نہ ہو جائیں اور نہ ان کے باہم فاصلہ کا تناسب قایم رہے۔ اسی طرح افسانچہ میں تمہیدی نوٹ شروع میں یا بیچ میں کہیں کہیں روا رکھے جا سکتے ہیں اور یہ اس مقصد سے کہ قصّہ کا تسلسل قائم رہے اور افسانچہ مہمل یا معمہ نہ بن جائے اور نہ افسانہ بن جائے۔ یعنی طویل نہ ہو جائے۔ اگر یہ احتیاط رہے کہ یہ نوٹ محض کھانچہ بھرنے کا کام دیں تو ان کا جواز اور اس سے استفادہ عیب نہیں۔ اگرچہ کمال اسی کو کہا جائے گا کہ مکالمہ میں وہ روح پھونکی جائے اور پلاٹ میں وہ جان ڈالی جائے کہ شرکائے افسانچہ خود بول اٹھیں کہ ہم یہ ہیں اور ایسے ہیں۔

ہر افسانچہ کا موضوع اور غایت معین ہونا چاہیے۔ وہ یا اصلاحی ہو یا اخلاقی۔ عاشقانہ ہو یا تاریخی وغیرہ وغیرہ اگر آپ یہ کریں کہ سب چیزیں ایک افسانچہ میں

بھر دینا چاہیں تو اس میں کوئی ایک ڈھنگ کی چیز بھی ناظرین کو نہ ملے گی اور افسانچہ ایک بے ہنگم چیز یا الونی بادلی ہانڈی ہو جائے گا۔ بلند آہنگی افسانچہ میں نہیں سما سکتی۔ کیونکہ اُس میں صرف انہیں الفاظ کی گنجایش ہے جو نہایت ضروری ہیں۔ بلند آہنگی بلاغت کے بل چلتی ہے اور بلاغت زیادہ الفاظ چاہتی ہے۔ جن کی گنجایش افسانچہ میں نہیں نکل سکتی۔ زور اور دلچسپی افسانچہ کے بڑے جوہر ہیں اور یہ مصنف کے اعلیٰ تخیل اور ذوق سلیم کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتے ہیں۔ پھُس پھُسا مکالمہ یا ڈھیلا پلاٹ دلچسپی نہیں پیدا کر سکتا۔ خواہ کوئی فصاحت و بلاغت کے خزانے افسانچہ میں لا کر کیوں نہ بھر دے۔

افسانچہ میں استدلال سے بہت کام لینا نہ چاہیے ورنہ وہ شاستر ارتھ یا مناظرہ بن جائے گا۔ مکالمہ نہ عامیانہ ہو نہ مولویانہ لفظ وہی ہوں جو سب بولتے اور سمجھتے ہیں لیکن اُن کی نشست اور اسلوب ایسا ہو اور خیالات ایسے چست اور اُپج کے ہوں کہ نئی بات معلوم ہو۔ اور یہ سب کچھ صاحبِ مکالمہ کے

شعار کے حدود کے اندر ہو۔

پلاٹ میں ناٹک کے لوازمات کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں۔ نہ کلائمیکس یعنی نقطہ منتہیٰ دکھانے کی کوشش کی جائے۔ نہ خفا سے زیادہ کام لیا جائے۔ تیز فہم پڑھنے والا سمجھ بھی جائے کہ آگے کیا ہوگا اور پھر اُسے دلچسپی سے پڑھے بھی۔

وہ افسانچہ کیا جو پڑھنے والے کو اکتا دے یا خم ٹھونک کر اُس کی فہم و ادراک کے سامنے کھڑا ہو جائے کہ پہلے ایک پکڑ لڑ لو۔ پڑھنے والے کے ذہن پر بار نہ ہونا چاہیے۔ افسانچہ کے ڈھانچ میں نازک خیالی ہو۔ باریک بینی ہو۔ جدت ہو اختراعی تخیل ہو۔ لیکن موشگافی اور دقّت پسندی نہیں ہونی چاہیے۔

دلچسپی اور دلاویزی کا کوئی لٹکا نہیں بتایا جا سکتا۔ وہی دال روٹی، گوشت ترکاری جسے ہم روز کھاتے اور کھا لیتے ہیں اور رازق حقیقی کا شکریہ ادا کر کے کھانا بڑھوا دیتے ہیں۔ جب انھیں کسی شستہ مذاق والے ماہر خوش میز کا ہاتھ چھو جاتا ہے تو ہم بے ساختہ کہہ اُٹھتے

ہیں کہ واللہ کیا مزے کا کھانا ہے۔ یہ آج کس نے پکایا۔ آلو کے بڑے ہیں کہ شامی کو پرے بٹھاتے ہیں۔ ذوق سلیم اور لطافت پسندی جو جمالیات کی روح ہے نہ سکھائی جا سکتی ہے نہ سیکھی جا سکتی ہے۔ ہاں اس کے لیے کوشش خلوص دلی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ درد اور سوز کبھی ہماری ادبی دنیا میں حُسن کلام کا سہاگ سمجھا جاتا تھا۔ اب لوگوں نے اُسے حُسن قبول کا سہل لٹکا سمجھ رکھا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ عام طور پر دل پسند چیزیں ہیں۔ لیکن وہ سبق نہیں دے سکتیں جن کی آج کل ضرورت ہے۔ ولولہ اور جذبات عالیہ کو تحریک کرنا عالی حوصلگی اور الوالعزمی سکھانا اور اصلاح اخلاق مدِنظر رکھنا چاہیے۔

کلام اور فعل سے پلاٹ کے ہر رُکن کے کیرکٹر یا شعار کا چربہ اُتارنا افسانچہ نویس کے اوّلین فرائض میں سے ہے۔ اس پر زیادہ زور دینا غیر ممکن ہے۔

اس وقت اس سے زیادہ اس موضوع پر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ادھر عجلت کا تقاضا ہے اور ادھر دیکھا جاتا ہے کہ افسانچہ نویسی کیا افسانہ نگاری بھی اُردو میں ابھی پختگی کو نہیں

پہنچی ہے۔ ہاں ایک بات ضرور کہنی ہے اور وہ یہ کہ افسانچہ میں
کوئی بات یا لفظ ایسا نہ آنا چاہیے۔ جو کسی کے خاص کر صنف
نازک کے احساسات پر خراب اثر ڈالے۔ لوگ ایسے موقعوں
پر اعتدال سے گزر جاتے ہیں خاص کر جب وہ ٹھٹّے یا
مطائبات پر اُتر آتے ہیں۔ بعض اپنی بیویوں کو اسٹیج پر
لے آتے ہیں بعض سمجھتے تو یہ ہونگے کہ خوش اخلاقی
سکھاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں بد اخلاقی کے رستے
دکھاتے ہیں۔

کرشمۂ فطرت

۱

ڈاکٹر کرناوتی۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہر ماں باپ ہر بزرگ خاندان یہی چاہتا ہے کہ اُس کے بال بچے بیاہے جائیں آگے نسل چلے بیٹے روپیہ کمائیں بہویں بیٹیاں گھر کا دھندا چلائیں۔ ہاں چچا جان کی میرے متعلق یہ خواہش عجیب نہیں۔ لیکن میں اِس کی قایل نہیں کہ ہر مرد اور ہر عورت کو بیاہ کر ہی لینا چاہیے۔ کنوارا یا کنواری رہنا کبھی پاپ یا جرم ہو گا۔ مگر آج کل ہرگز نہیں۔

دینا ناتھ۔ لیکن تم تو سرے سے بیاہ کے ہی خلاف ہو۔ کہتی ہو۔ لوگ بیویوں کو اثاث البیت یا ذی روح اثاث البیت سے زیادہ نہیں سمجھتے۔

کرنا۔ ہاں پھر اس میں غلطی ہی کیا ہے۔ جب تک

دُنیا میں جسمانی طاقت کا راج ہے۔ مرد سے بربریت اور بہیمیت دُور نہیں ہوسکتی۔

دینا۔ اور یہ ہمیشہ رہے گا۔

کرنا۔ یہ آنے والا زمانہ بتائے گا۔ ہاں جب تک رُوح اور جسم کا توازن درست نہیں ہوتا۔ یہ جبر اور ظلم عورت ذات پر رہے گا۔ اِس حالت میں جو عورت سوچ بچار رکھتی ہو۔ اپنی حفاظت ہر طرح کر سکتی ہو اور جسے اپنی شخصیت اور اپنی جنس کے لیے غیرت اور خودداری کا احساس ہو۔ کیوں نہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

دینا۔ اچھا بتاؤ میرا برتاؤ تمھاری بھاوج کے ساتھ کیسا ہے۔

کرنا۔ (مسکرا کر) یہ میری صحبت کا اثر ہے کہ تم میں کچھ انسانیت آگئی۔ سچ مچ یہ تمھاری خوش قسمتی تھی۔ کہ میں بچپن میں یتیم ہوگئی اور چچا کے گھر میری پرورش ہوئی۔

دینا۔ جی۔ نہیں تو میں انسانیت سے خارج ہو جاتا۔

کرنا۔ یہ دیکھو کیسی انسانیت کی بات کہی ہے۔

میں نے ایک ایسی بات کہی جسے سائنس پکار پکار کر کہہ رہا ہے اور تم یہ عامیانہ ہانک بے تکلّف لگا گئے۔ تم تو کیا چیز ہو۔ ہربرٹ اسپنسر جیسے آدمی کو یہ حسرت رہی کہ اُس کی ماں اُس کے بچپن ہی میں مرگئی اور اُس کی کوئی بہن بھی نہ تھی کہ اُس کے مزاج میں صلاحیت پیدا کرنے میں مدد دیتی۔

دینا۔ تو گویا تمھارے نزدیک تمھارے چچا اور میں غرض کہ سب مرد وحشی ہیں۔

کرنا۔ دیکھو بحث میں غصّہ انسان کی دلیل کا پلّہ ہلکا کر دیتا ہے۔ اِس وقت سوال باپ، چچا، ماموں یا بھائی کا نہیں۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم اور چچا میرے لیے جان تک دینے میں دریغ نہ کرو گے۔ لیکن یہاں تو گفتگو شوہر اور بیوی کے تعلق کی ہے نہ کہ بھائی اور بہن کے۔

دینا۔ جبھی تو میں نے پوچھا تھا کہ بتاؤ میرا سلوک تمھاری بھاوج کے ساتھ کیسا ہے۔

کرنا۔ ہاں ہاں مجھے یہ سوال یاد ہے۔

اچھا اِس کا جواب دوں۔

دینا۔ ہاں دو۔

کرنا۔ تو سُنو ابھی دو مہینے ہوئے۔ تمہاری بیوی کی بھاوج یہاں ہمارے اسپتال میں علاج کرانے آئی تھی۔ تمہاری بیوی روز اُسے دیکھنے جاتی تھی۔ ایک دن اُسے وہاں زیادہ وقت گذر گیا تو تم نے اُس بچاری سے جواب طلب کیا۔ ٹھیرو! پوری بات کہہ لینے دو اور جب وہ غریب ایکبار پوچھ بیٹھی کہ آخر آدھی آدھی رات تک کلب میں کیا ہوتا رہتا ہے تو دو دن تک تمہارا مُنہ سیدھا نہ ہوا۔

دینا۔ میں کسی بُری جگہ تو جاتا نہیں۔ اُن کا یہ سوال ہی واہیات تھا۔ میرے چال چلن سے وہ اور تم خوب واقف ہو۔

کرنا۔ اور وہ اُس روز بُری جگہ گئی تھی۔ جو باضابطہ جواب طلب کیا گیا۔

دینا۔ میں اکیلا بیٹھا بیٹھا اُکتا گیا تھا۔

کرنا۔ وہ بھی اکیلی بیٹھی بیٹھی اُکتا جاتی ہے۔

جب تم کلب میں بیٹھ رہتے ہو۔ تم اُس کا جواب اِس کے سوائے نہیں دے سکتے کہ میں مرد ہوں اور وہ عورت ہے۔

ڈینا۔ تو کیا قدرت نے عورت اور مرد کو ہر طرح سے اور ہر حیثیت میں برابر پیدا کیا ہے۔

کرنا۔ یہ سوال تم مجھ سے کرتے ہو۔ اور اس پیرایہ میں۔ تم بھولتے ہو کہ یہ علم۔ میں تم سے بہتر جانتی ہوں اور ایک زنانہ ہسپتال کی انچارج ہوں۔ عورت اور مرد کے فطری فرایض اور قواء کی جبلّی قابلیت مجھے معلوم ہے۔ لیکن گفتگو تو بیوی اور شوہر کے تعلق کے بارے ہیں۔

ڈینا۔ میں اب سمجھا والد کیوں افسوس کیا کرتے ہیں کہ وہ تایا جی کی وصیت سے مجبور ہو گئے نہیں تو تمھیں ڈاکٹری ہرگز نہ پڑھاتے۔

کرنا۔ یہ باتیں بحث سے خارج ہیں۔

ڈینا۔ تو میں والد سے کیا کہہ دوں۔

کرنا۔ یہی کہ میں آزاد رہنا چاہتی ہوں۔

دینا۔ لیکن اُنھیں تو یہ فکر ہے کہ لوگ کہیں گے اپنی اولاد تو بیاہ دی اور بھائی کی یتیم بیٹی کے بیاہ کا خیال تک نہ کیا۔

کرنا۔ لوگوں کے کہنے کا خیال کرنا فضول ہے۔ میں یہ خوب جانتی ہوں کہ چچا کو مجھ سے اتنی ہی محبّت ہے۔ جتنی کسی باپ کو اپنی بیٹی سے ہوتی ہے۔

دینا۔ تو پھر تم اُن کا کہنا کیوں نہیں مانتیں وہ اس طرح تو تمھاری شادی کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ جس طرح اگلے زمانے میں شادیاں ہوا کرتی تھیں۔ دیکھو اب عورتوں کی آزادیاں کتنی بڑھ گئی ہیں۔ برہمو سماج اور آریہ سماج کا اثر تو تھا ہی اِس جرمن کی جنگ نے تو پارلیمنٹ تک میں عورتوں کا عمل دخل کر دیا۔ یہاں اسمبلی میں ہر سال ایک نہ ایک بل بیاہ وغیرہ کے متعلق پیش ہوتا رہتا ہے پردہ اب کوئی جانتا نہیں۔ پہلے گُڈّے گڑیوں کے بیاہ ہوتے تھے۔ اب مردوں اور عورتوں کے ہوتے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں کے نہیں۔ خود مرد پردے وغیرہ کے خلاف ہیں۔

کرنا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہی ہوں۔ یہ سب کچھ پولٹیکل بناء پر ہے اور بہت کچھ مردانہ انانیت کا مقتضاء ہے۔ ہم کیا کسی سے کم ہیں کہ اپنے دوستوں کو "مائی وائف" سے انٹروڈیوس نہ کریں؟ پہلے مرد اپنی مردانگی کا جوہر اس میں سمجھتا تھا۔ کہ کوئی اُس کی ننگ و ناموس کا سایہ تک نہ دیکھ پائے۔ اُس کی آواز تک نہ سُن سکے۔ آج کل یہ دھن ہے کہ ہم مسٹر براؤن سے کم نہیں کہ اپنی بیوی کو لے کر پارک میں ہوا خوری نہ کریں؟ اور میں اس معاملہ میں صرف ہندوستان پر ہی نظر نہیں رکھتی۔ بلکہ کل مہذب دُنیا میرے سامنے ہے۔ میں اُس کو نہیں دیکھتی جو کتابوں میں لکھا ہے۔ میرے سامنے تو وہ واقعات ہیں۔ جو آئے دن ہر کہیں واقع ہوتے رہتے ہیں۔

دینا۔ یہ سب کچھ مان بھی لیا جاوے تو کیا تم انسانی نفسیات کو بدل سکتی ہو۔

کرنا۔ بالفعل نہیں۔ زمانہ اِسے بدلے گا۔

دینا۔ اچھا بدلے گا تو کبھی بدلے گا۔ اِس وقت تو زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیے۔

کرنا۔ اگر ایک شخص نہ چلا تو زمانہ تباہ نہیں ہو جائے گا۔ میری بیوی بننے یا نہ بننے پر دُنیا کا انت منحصر نہیں۔

دینا۔ لیکن خیر۔

کرنا۔ نہیں کہو صاف صاف کہو۔ جو کچھ کہنے کو تھے۔

دینا۔ میں یہ کہنے کو تھا کہ کیا تمھارے یہ خیالات اور لڑکیوں میں نہ پھیلیں گے۔

کرنا۔ اس کے ذمہ دار تو وہ لوگ ہیں۔ جو مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں بیاہ کیوں نہیں کرتی۔ یا وہ لوگ جو اِس مسئلہ پر مجھ سے مباحثہ کرتے ہیں۔ دینا ابھی میں نے آزاد دیویوں کی انجمن کی بنیاد نہیں رکھی۔

دینا۔ نہیں۔ مگر والد کبھی کبھی افسوس کیا کرتے ہیں کہ اگر تایا اور تائیؑ زندہ ہوتے۔ تو یہ صورت ہرگز پیش نہ آتی۔

کرنا۔ یہ اُن کا بزرگانہ خیال ہے۔ میں نے تو اپنے آپ کو کبھی یتیم نہیں سمجھا۔

دینا۔ تو آخر وہاں جاکر میں کیا جواب
دوں۔
کرنا۔ تم یہ کہہ دینا کہ بھارت ورش
میں برہم چارنیاں ہو چکی ہیں اور دھرم کی اور اتہاس کی
کتابوں میں ان کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ دعا کیا کریں
کہ میں بھی ایسی ہی ایک برہمچارنی ثابت ہوں۔ (ٹائم پیس
کی طرف دیکھ کر) او ہو مجھے لیڈی دفرن فنڈ کی کمیٹی میں
جلدی جانا ہے (گھنٹی بجا کر خدمتگار سے جو گھنٹی کی آواز
پر آیا) موٹر ابھی طیار ہو (دینا سے) دینا تمھیں گھر
پہنچاتی جاؤں۔
دینا۔ نہیں مجھے اور جگہ جانا ہے سواری
موجود ہے۔
کرنا۔ اکیلے کیوں آئے بھائی کو ساتھ
لے کر آیا کرو۔
دینا۔ جی ہاں اس وقت ساتھ لاکر انھیں بھی
تمھارے انوکھے خیالات سنواتا۔ (دونوں ہنستے ہیں۔
دینا ناتھ چلا جاتا ہے۔ کرنا وتی میز پر سے کچھ کاغذ

اُٹھانے لگتی ہے کہ سڑک پر ایک شدید تصادم کی آواز آتی ہے۔ سخت دھماکا ہوتا ہے اور پھر ایک موٹر کار کے بڑے زور سے بھاگنے کی آواز آتی ہے۔ کرناوتی خدمت گار کو بلاتی ہے۔(وہ آتا ہے)

کرنا۔ کیا ہوا۔ سڑک پر کیا ہوا۔ موٹریں لڑیں۔

خدمتگار۔ حضور موٹریں تو نہیں لڑیں ایک لڑکا موٹر کے نیچے آگیا۔ وہ شائد مر گیا ہو۔ ہمارے پھاٹک کے سامنے یہ حادثہ ہوا۔

کرنا۔ ہماری کار اُس کار کا پیچھا کرے۔ فل سپیڈ اُس کو پولیس کے حوالہ کرے کہ خون کر دیا۔ نہ پکڑ سکے تو نمبر اور صُوبہ اچھی طرح نوٹ کر لے۔ آیا اُوپر والا کمرہ فوراً طیار ہو۔ گرم پانی پٹی ڈریسنگ کا سامان۔ سمجھے۔ ہم اُس بچے کو لاتے ہیں۔

۲

مسٹر گپتا۔ آج تو تم نے بے شک پاسا پلٹ دیا۔ سب کہتے تھے کہ ملزموں کے بچنے کی کوئی

صورت نہیں۔ لیکن تم نے تو جج اور جوری دونوں پر جادو ہی کر دیا۔

پرتھی ناتھ سنگھ۔ میں سمجھتا ہوں۔ جج ضرور جوری سے اتفاق کرے گا۔ اور ملزموں کو اگر سزا بھی دے گا تو بہت کم۔ پھر ہائیکورٹ میں دیکھ لیں گے۔

گیتا۔ یہ تو ہوا۔ شادی اور عورت کی نسبت اب کیا رائے ہے۔

پرتھی۔ (تبسم) رائیں بھی فصل کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

گیتا۔ آخر تمھارے اصولی دلائل کیا ہیں۔

پرتھی۔ اس میں اصولی اور فروعی کی بات ہی کیا ہے۔ میں اپنے ہاتھ پاؤں بندھوانا نہیں چاہتا۔

گیتا۔ یعنے تم دائمی معاہدہ ازدواج کے خلاف ہو۔

پرتھی۔ دائمی یا عارضی کا سوال نہیں۔ میں کہتا ہوں۔ عورت کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

گیتا۔ جی ہاں کیا تھی۔ پرمیشور یا نیچر نے آپ سے

صلاح نہ لی۔

پربھی۔ (تبسم) سائنس کی تحقیقات سے دریافت ہوا ہے۔ کہ ایک زمانہ تھا۔ جب انسان میں خصوصی زنانہ اور مردانہ اعضاء دونوں ہوتے تھے۔ سلسلۂ نسل جاری رکھنے کے لیے مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی ضرورت نہ تھی۔ نباتات میں یہ اشتراک ابھی تک موجود ہے۔

گیتا۔ یہ درست۔ لیکن آخر ضرورت محسوس ہوئی اور نیچر کو یہ اشتراک منسوخ کرکے دو جنسیں الگ الگ وضع کرنی پڑیں۔ یہ واقعہ تو بڑی مضبوط دلیل اُس کی ہے کہ مرد اور عورت میں التفات ہو۔

پربھی۔ تاکہ مرد کی آزادی خاک میں مل جائے۔ آزادی سے مطلب۔ عامیانہ آزادی یا آوارگی نہیں ہے۔

گیتا۔ میں پوچھتا ہوں بیوی کیا دُکھ دیتی ہے؟

پربھی۔ کیا دُکھ دیتی ہے۔ گویا "شکسپیر" کا یہ قول کبھی نہیں سُنا۔ عورت مرد کی بپتا ہے۔

گیتا۔ سُنا ہے اور وہ قول بھی سنے ہیں۔ جن میں وہ

عورت کی تعریف میں تر زبان ہے۔ شکسپیر کو تو رکھیے اونچے سے طاق پر اور روزمرّہ کی زندگی پر نظر ڈالیے۔

پرتھی۔ روزمرہ کی زندگی کی بپتھا سنیے۔ شوہر بیمار ہوا کہ بیوی نے کھانا چھوڑ دیا۔ بھئی وہ بیمار ہے تو تم دو کی جگہ چار بار کھاؤ۔ تاکہ تیمارداری خوب کرسکو۔ بچّہ کے چوٹ لگی اور اماں جان کو غش آگیا۔ اب آدمی کم بخت بچّہ کو سنبھالے۔ یا بیوی کو۔ ہر شخص اتنا مالدار تو ہوتا نہیں کہ ڈاکٹر اور نرس ہر وقت گھر میں موجود رکھے۔ شوہر بچارا دن بھر محنت مزدوری کرکے تھکا ہارا گھر آیا کہ بیوی صاحبہ جائزہ لینے کو طیار ہیں۔ آج تم بہت سُست معلوم ہوتے ہو۔ چہرہ کمھلایا ہوا ہے۔ اب آدمی دم لے ذرا سستائے یا اُن کی جوابدہی کرے اور سنیے آج اِس کے ہاں شادی ہے۔ کل اُس کے ہاں ماتم کوئی پوچھے بیوی ہم اپنے لیے لائے ہیں۔ یا رشتہ داروں

اور برادری والوں کے لیے۔ کہیں شہر کے باہر جاتا ہو تو پولیس کے روزنامچہ کی طرح روزانہ رپورٹ ڈیپارٹمنٹ میں آنی چاہیے کہ تم اچھے ہو۔ کھانا وقت پر مل جاتا ہے۔ اور ٹیمپریچر ۹۸،۴ سے اُوپر تو نہیں ہوتا۔ دو دن خط نہ بھیجو تو واپسی پر بیوی کو ہسٹریا میں مبتلا پاؤ۔ جب اُن کی اردلی میں ہو۔ تو اسمیلنگ سالٹ کی شیشی ضرور جیب میں ہونی چاہیے۔ یہ کیفیت اُن بیویوں کی ہے۔ جو آج کل کی زبان میں شائستہ کہی جاتی ہیں۔ اُن کا ذکر نہیں کہ دروازہ پر آواز ہوئی۔ تار لے جاؤ۔ اور تار کے نام سے بیوی کے دشمنوں پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ میاں شہر کے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ڈاکیہ خط پھینک کر چلا گیا۔ اب بیوی ہیں کہ برقعہ یا چادر سنبھالے۔ گھر گھر جھانک رہی ہیں اور خواندہ لوگوں کی مردم شماری کر رہی ہیں۔ یہ ذکر بھی جانے دو کہ ہر مہینے ایک نیا چمک دمک کا جوڑا اور ہر چھ ماہی کوئی بھاری زیور دیوی جی کی

بھینٹ نہ چڑھے تو اُن کا خوش رہنا محال۔ میری رائے میں آدم کی بڑی غلطی خواہ ممنوع پھل کھاتا تھا یا نہ تھا۔ لیکن سب سے بڑی غلطی اس نے یہ کی کہ بی۔ حوّا کی پیدائش کا موجب ہوا۔

گپتا۔ جی ہاں آپ سے مشورہ نہیں لیا۔ میں تو اس واقعہ کو خواہ کیسا ہی معتبر ہو۔ تقاضائے فطرت کے ماتحت سمجھتا ہوں۔

پرتھی۔ (ہنس کر) آپ کو یہ آٹھ پہر کی "سنسرشپ" اور ایک بالغ بچّے کی سرپرستی مبارک ہو۔ میں تو اس جھمیلے میں پڑنا حماقت سمجھتا ہوں۔

گپتا۔ تو آپ خاصے زن نفوُر ہیں۔

پرتھی۔ لفظوں اور اصطلاحوں کا استعمال آپ بہت ٹھیک کرتے ہیں۔

گپتا۔ وہ زوج نفور سہی۔ بات قریب وہی ہے۔ خیر۔ آپ اس پر قادر ہیں کہ مروجہ قانونِ اخلاق کے پابند رہ سکیں اور اپنی صحت کو قائم رکھ سکیں۔

پرتھی۔ یہ دونوں سوال بے شک ضابطہ کے اندر ہیں۔

اوّل کا جواب وہاں ہے اور دوسرے کا یہ کہ رنڈووں
اور کنواروں کی نسبت تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے۔
کہ یہ جو خیال تھا کہ متاہل لوگوں کی عمر غیر متاہل لوگوں کی
عُمر سے زیادہ ہوتی ہے۔ غلط ہے۔ میری صحت میں کیا
نقص معلوم ہوتا ہے ؟

گپتا۔ اپنی اپنی رائے ہے۔ بھیّا ایک وقت ایسا آنے والا
ہے کہ سب رائیں رکھی رہ جائیں گی اور حضور کی بالکل کایا
پلٹ ہو جائے گی اور مجھے شادی کے تحفہ کی فکر ہوگی۔

پرتھی۔ منہ دھو رکھو۔ تم کو یہ انتظار ہمیشہ رہے گا۔

گپتا۔ خیر دیکھا جائے گا۔

۳

ڈاکٹر پرتھی ناتھ سنگھ۔ مجھے ابھی ابھی پتہ چلا۔
کہ میرا بچہ موٹر کے حادثہ سے زخمی ہوا تھا۔ اور وہ آپ کے
ہاں ہے۔

ڈاکٹر کرناوتی۔ پھر۔

پرتھی۔ میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

کرنا۔ آپ اُسے نہیں دیکھ سکتے۔

پرتھی۔ کیوں۔ کیا حالت بہت نازک ہے۔
کرنا۔ حالت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن
میں نہیں جانتی۔ کہ آپ کون ہیں اور جو کوئی بھی ہیں۔ اُس
کے باپ ہیں کہ نہیں۔ میں اس سوال کو کس طرح حل کرسکتی ہوں۔
پرتھی۔ اِس کے یہ معنی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں
اس کا ثبوت پیش کروں کہ جو بچّہ بیمار ہے اور اتفاق سے آپ کے
مکان میں ہے۔ میرا لڑکا ہے۔
کرنا۔ آپ کے مزاج میں مردانہ تمکنت کی بُو
بھری ہے۔ آپ نے مجھے کیا سمجھا کہ پہلی جان پہچان اور تعارف
کے بغیر غریب خانہ پر تشریف لے آئیے۔ میں تو یہ سمجھی تھی کہ
کسی مریض کے متعلق تکلیف فرمائی ہے۔ اِس لیے بُلا لیا۔ لیکن
آپ اپنے تئیں بھول گئے اور مجھے کوئی محلہ کی دائی جنائی سمجھے۔
کیونکر آپ کو جرأت ہوئی کہ تعارف کے بغیر یا پہلے خط لکھے بغیر
یہاں چلے آئے۔ اگر میں مس۔ براؤن ایم۔ ڈی ہوتی تو بھی
کیا آپ اس بے تکلّفی سے بغیر منصبی ضرورت کے یوں دراّئے
چلے آتے۔
پرتھی۔ بے شک آپ کا یہ فرمانا بجا ہے۔

لیکن ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا کہ میرا بچّہ بیمار ہے اور آپ نے مہربانی سے اُسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

کرنا۔ اور ایک ہفتہ تک آپ کہاں رہے۔

پرتھی۔ اُس روز میں یہاں نہیں تھا۔ ایک مقدمہ میں باہر گیا ہوا تھا۔ تار پہنچا کہ بچّہ غائب ہے۔ یہاں پہنچ کر پولیس کا اور میرا یہ گمان ہوا کہ پٹھان اُسے اٹھا لےگئے۔ ابھی ابھی سپرڈنڈنٹ پولیس نے ٹیلیفون کیا کہ وہ گمان غلط تھا اور تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا آپ کی نگرانی میں ہے۔ میں فوراً یہاں چلا آیا۔

کرنا۔ آپ یہ سنتے ہی بیتاب ہو گئے۔ پدری محبت نے جوش مارا۔ ضرور آپ کی محبّت پدری تو اُس سلوک سے ظاہر ہے۔ جو آپ کا اُس معصوم کے ساتھ ہے۔ اِدھر تہا بانی کا میلہ ہو رہا ہے۔ اُدھر کانگرس اور بیسیوں کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں آدمی الہ آباد میں ٹوٹ پڑے ہیں اور آپ نے بچّہ کو جو شکل سے چھ سال کا ہوگا۔ بائیسکل پر اسکول بھیج دیا۔ آپ واقعی بڑے عاشق باپ ہیں۔ نہایت اعلیٰ نگرانی کرنے والے سرپرست ہیں۔ معاف کیجیے۔ میں تو

آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی کہ آپ ایک بچے کے سرپرست بنیں۔ خیر کرنل فرینک سول سرجن اس وقت بچّہ کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ ملاقات مناسب ہے کہ نہیں۔

(کرنل فرینک داخل ہوتا ہے)

کرنل فرینک۔ ڈاکٹر وتی۔ آپ کا مریض بہت بہتر ہے۔ اوہ۔ ڈاکٹر سنگھ۔ گڈ آفٹر نون (کرناوتی سے) آپ انہیں جانتی ہیں۔

کرنا۔ بالکل نہیں۔

کرنل۔ واہ آپ ہمارے صوبہ کے ایک بہترین ایڈوکیٹ ہیں۔ اجازت دیجیے کہ میں ان سے آپ کا تعارف کراؤں۔ ڈاکٹر پرتھی ناتھ سنگھ۔ ڈاکٹر کرناوتی۔ (دونوں ذرا گردن جھکا کر اِس تعارف کا اعتراف کرتے ہیں) ڈاکٹر سنگھ۔ آپ کا بچّہ بہترین نگرانی میں ہے۔ حادثہ نہایت سخت تھا۔ بچّہ نے دوبارہ زندگی پائی مریض کی تیمارداری شہزادوں کی سی ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر وتی۔ دم دم کی خبر رکھتی ہیں۔ دو نرسیں ان کی اِمداد کو ہیں۔

پرتھی۔ میں آپ کا اور ڈاکٹر کرناوتی کا نہایت

ممنون ہوں۔
کرنل۔ اس کا استحقاق ہماری رحم دل دوست ڈاکٹر کرناوتی کو ہے۔ اگر یہ اُس وقت بچّے کو اُٹھا نہ لاتیں اور ایسی اچھی نگرانی اور علاج نہ کرتیں تو شاید اُس کا جانبر ہونا مشکل تھا۔ بہرحال خطرہ ابھی بالکل دور نہیں ہوا ہے۔ بخار موجود ہے۔ اور ڈلیریم کے پھر ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ڈاکٹر کرناوتی میں سمجھتا ہوں دو دن بعد ڈاکٹر سنگھ اُسے دیکھ سکیں گے۔ جیسی آپ کی رائے ہو اور مریض کی حالت۔
پرتھی۔ جب تک میں روز یہاں آکر اُس کی حالت دریافت کرسکتا ہوں۔
کرنا۔ یہ ممکن ہے۔
پرتھی۔ تھینک یُو۔
کرنل۔ ڈاکٹر وتی مجھے بہت پیاس لگی ہے۔ کیا آپ چائے پی چکی ہیں۔
کرنا۔ نہیں چائے طیار ہونی چاہیے۔ میں دیکھتی ہوں (چلی جاتی ہے)
کرنل۔ ہماری میزبان بھی عجیب معمّا ہیں۔

اُن کا ظاہر فولاد کا اور باطن موم سے زیادہ ملائم ہے۔
پرتھی۔ واقعی، غیر معمولی کیرکٹر معلوم ہوتی ہیں۔
کرنل۔ حادثہ کے دن انھوں کے کھانا نہیں
کھایا اور جب میں آیا تو میں نے ان کو اندھ دیکھیں پایا۔ گویا یہ ابھی
کا بچّہ ہے۔ (ڈاکٹر سنگھ۔ اُس کرسی کی طرف دیکھتا ہے جو ابھی
خالی ہوئی تھی۔) آپ نہایت خوش نصیب ہیں کہ یہ حادثہ اُن
کے بنگلے کے سامنے ہوا۔ (سب کھانے کے کمرے میں جاتے
ہیں)۔
کرنا۔ ڈاکٹر سنگھ۔ اور لیجیے۔ یہ کیک اور لیجیے
نہیں یہ بڑی قاش آپ بھوکے معلوم ہوتے ہیں۔ نہیں
تکلیف نہ کیجیے۔
کرنل۔ ہاں ہاں آپ جلدی نہ کریں اور
ڈاکٹر وتی مجھے اب جانے کی اجازت دیجیے (کرنل وینک
چلا جاتا ہے)
پرتھی۔ معاف کیجیے گا۔ شروع شروع میں
شائد کوئی ناواجب بات میری زبان سے نکل گئی ہو۔ حادثہ
کا حال معلوم کر کے میں اپنے جذبات پر قادر نہیں رہا۔

جب آپ مناسب سمجھیں۔ بچّے کے دیکھنے کی اجازت دیں۔ میں یا کوئی اُس سے زیادہ کیا کرسکتا تھا۔ جو آپ اُس کے لیے کر رہی ہیں۔

کرنا۔ اِن الفاظ کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو ایک انسانی فرض ادا کرنے کی کوشش کی۔ ہمارا تو یہ کام ہی ہے۔ قوم کے روپیہ سے جو ہم کو تعلیم دی گئی سو اِسی لیے کہ بھائی بہنوں کی جسمانی تکلیف دُور کرنے میں نیچر کی مدد کریں۔

پرتھی۔ یہ نہایت اعلیٰ اصُول ہے۔ لیکن اِس حادثہ کے متعلق آپ کو زیر بار بھی ہونا پڑا ہے۔ آپ اجازت دیں تو یہ چیک یہاں چھوڑ جاتا ہوں (جیب میں سے پاکٹ بُک نکالتا ہے)

کرنا۔ (رُوکھائی سے) آپ ایک دن میں کتنی بار میری ہتک کریں گے۔ پہلی ہتک وہ تھی کہ آپ بغیر تعارف اور جان پہچان کے یہاں چلے آئے۔ خیر کرنل فرینک کی بدولت وہ معاملہ طے ہوا۔ اب آپ مجھے اپنی چیک بک دکھا رہے ہیں۔ آخر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ ایک دائی۔

جنائی۔ ایک ذلیل زر پرست عورت۔

پرتھی۔ (چین بجبین ہوکر) میں ایسا ہرگز نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ ضرور یقین کرتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ کرنل فرینک ہوتے تو میرے عندیہ کو ہرگز یہ معنے نہ پہناتے۔

کرنا۔ میں کرنل فرینک کے خیالات کی ذمہ دار نہیں اور اگر وہ ایسا کرتے بھی تو آخر وہ بھی مرد ہیں۔

پرتھی۔ یعنے مرد بالطبع۔ زر پرست ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت مجھے آج معلوم ہوئی۔

کرنا۔ ایسی بہت سی حقیقتیں ابھی معلوم ہونی ہیں۔ نیچر کے کتب خانہ کا کسی نے آخری کتاب تک مطالعہ نہیں کیا۔ ہاں میں نے جو کچھ کیا۔ اپنے ضمیر کی تحریک سے کیا۔ کیا جان کا بدل روپیہ ہوسکتا ہے۔ آپ کیا جانیں کہ کس قدر دکھ مجھے اس بچے کی تکلیف دیکھ کر ہوا۔ خون اور مٹی میں لت پت ایک لوتھڑا تھا۔ جب میں نے اُسے سڑک پر سے اُٹھایا! مجھے معذرت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک نفسیاتی صداقت ہے کہ شغل یا پیشہ سے انسان کے اخلاقی اُصول متاثر ہوتے ہیں۔ آپ قانونی آدمی ہیں۔ جہاں تک قانون اجازت دے۔

سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھانا آپ کا روز کا کام ٹھہرا اور پھر جو روپیہ زیادہ دے۔ اُس کا کام کرنا۔ جب کہ میرا پیشہ ہے۔ انسانوں کی جسمانی تکالیف رفع کرنا۔ فیس ہم لوگ بھی لیتے ہیں۔ لیکن گھنٹہ بھر مریض کو دیکھنے اور نسخہ لکھنے کے بعد جب کہ آپ کی فیس کا ڈھیر مثل کے دیکھنے سے پہلے ہی میز پر ہو جاتا ہے۔

پربھتی۔ آپ کے نزدیک وکالت نہایت ذلیل پیشہ ہے۔

کرنا۔ میں تو صرف یہ دکھانا چاہتی تھی کہ پیشہ کا اثر انسان کی ذہنیت پر بہت کچھ ہوتا ہے۔ جس طرح بہت سے سچے مظلوم آپ کی امداد سے داد کو پہنچتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ہماری غلطی سے ایسا مرض جس کو شفا ہونی چاہیے۔ مر بھی جاتا ہے۔ مگر ذہنیت پر پیشہ کے تاثر میں فرق نہیں آتا۔

پربھتی۔ پھر

کرنا۔ پھر یہ کہ آپ کی نظر کا زاویہ میری نظر کی زاویہ سے مختلف ہے۔

پربھتی۔ گویا قانون پیشہ لوگ نہایت ذلیل اور زرپرست ہوتے ہیں۔

کرنا (ہنس کر) نتیجے آپ خوب نکال لیتے ہیں۔
یہ گرما گرم خستہ کچوریاں آپ پسند کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے
آپ کی بیوی آپ کو کھانے کو نہیں دیتی۔
پرتھی۔ میں اس دنیا میں اکیلا ہوں۔ یہ بچّہ
میری زندگی کا سہارا ہے۔
کرنا۔ اور میں بھی اکیلی ہوں۔ اور اس بچّہ سے
مجھے محبّت ہو گئی ہے۔
پرتھی۔ خوب یعنے بچّہ مجھے واپس نہ ملے گا۔
(روکھائی سے) کیوں وجہ ؟
کرنا۔ وجہ یہ کہ آپ اس کی سرپرستی کے
اہل نہیں۔ بچّہ تو اور چند دنوں میں بالکل پہلے جیسا ہو جائے گا۔
لیکن بائیسکل کا چور میں نے آپ کی پدرانہ سرپرستی کی
شہادت کے لیے حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔
پرتھی۔ کیا اس کی گاڑی نہیں ہے۔ مگر اُسے
بائیسکل کا بڑا شوق ہے۔ میں اُدھر باہر چلا گیا۔ اُس نے
نوکروں کی ایک نہ مانی اور بائیسکل پر اسکول چل دیا۔
کرنا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے

ہاں اس بچّہ کی اخلاقی اور جسمانی بہبودی نوکروں کی مہربانی پر منحصر ہے۔ اب اُس کی جان آپ کے نوکروں کے ہاتھوں میں نہیں رہے گی۔

پرتھی (سوچ کر) ڈاکٹر کرناوتی۔ مجھے یہ خوف ہے کہ ہم دونوں اس معاملے کا آپس میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ پہلے اُسے پوری صحت تو ہو جائے۔ بالفعل کیا میں سمجھوں کہ آپ کی اجازت سے میں بچّے کا حال دریافت کرنے یہاں آسکتا ہوں۔

کرنا۔ یہ آپ کر سکتے ہیں۔ یہی وقت مناسب ہوگا۔ میں عموماً اس وقت مکان پر ہوتی ہوں۔ مگر شرط یہ یہ ہے کہ آپنی چک بک مکان پر چھوڑ آیا کیجیے (تبسّم)

۴

(کرناوتی بیمار موہن کے پلنگ پر لیٹی اُسے پیار کر رہی ہے)

موہن۔ اماں تم کتنی اچھی ہو۔ اتنی چیزیں ڈھیر کھلونے مجھے لادیے۔

کرنا۔ اور ڈھیروں لاؤں گی۔ اچھے ہو جاؤ۔

موہن۔ امّاں ایک بات پوچھوں خفا تو نہ ہوگی۔ (کرنا کی گردن میں پٹی بندھا بازو ڈال کر) وعدہ کرو اب تم سب مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤگی۔

کرنا۔ (بچّہ کو چھاتی سے لگا کر) نہیں جاؤں گی۔

موہن۔ بات سنو۔ پاپا لڑیں بھی تو نہیں جاؤگی۔ جب اُن سے لڑائی ہوئی تم چلی گئیں مجھے ساتھ کیوں نہ لے گئیں۔

کرنا۔ نہیں بچّہ اب ایسا نہیں ہوگا۔

(بچّہ ہُمک کر کرنا کی چھاتی سے چمٹ جاتا ہے)

کرنا۔ پیارے موہنا۔ زیادہ زور نہ کرو۔ ابھی تمھاری چوٹیں کچّی ہیں۔ بدن کو ڈھیلا رکھو۔ نہیں پھر درد ہونے لگے گا۔

موہن۔ اسکول میں میری غیر حاضری ہو رہی ہوگی۔ میری کتابیں مل گئیں۔

کرنا۔ مل گئیں۔ ماسٹر کو جبھی لکھ دیا تھا کہ تم بیمار ہو۔

(آیا آتی ہے اور کرنا وتی سے کچھ کہتی ہے وہ کہتی ہے لے آؤ)

کرنا۔ بھئی اب مجھے اُٹھنے دو۔ تمھارے پاپا آتے ہیں۔
موہن۔ پھر آئیں اتنے دن میں بیمار رہا۔ ان سب دنوں کا پیار نہیں کروں گا۔ کروں گا ضرور کروں گا۔ (کرنا کو اور لپٹ جاتا ہے ڈاکٹر پرتھی ناتھ سنگھ کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور یہ کیفیت دیکھ کر رُکتا ہے۔ لڑکے کی نظر اُدھر پھرتی ہے۔ یکایک پکار اُٹھتا ہے)
موہن۔ پاپا میں نے امّاں کو بلا لیا۔ دیکھا اب تم ان سے مت لڑنا۔ نہیں تو مجھے پھر چھوڑ کر چلی جائے گی۔
پرتھی۔ (بچّہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر) نہیں لڑوں گا۔ سمجھے۔ اس کا خیال مت کرو (کرنا کی طرف غور سے دیکھتا ہے)
کرنا۔ دیکھتے ہو موہنا نے مجھے کیسے پکڑ رکھا ہے۔ اٹھنے نہیں دیتا۔ مجھے اس کے زخموں کا خیال ہے۔ موہنا اٹھنے دو۔ تمھارے پاپا کے لیے چائے بنانی ہے۔ نہیں تو وہ مجھ سے لڑ پڑیں گے۔ (لڑکا اپنی باہیں ڈھیلی کر دیتا ہے) کرنا اپنی پوشاک سنبھالتی ہوئی۔ اُٹھ بیٹھتی ہے۔ اور پلنگ کے سرے پر بیٹھ کر اپنے بکھرے بال ٹھیک کرتی ہے۔ پرتھی اس تمام وقت میں کنکھیوں سے اُسے

دیکھتا رہتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ہے۔ اور کرنا کی آنکھوں میں حیا اور حجاب کا احساس۔

کرنا۔ (کھڑی ہو کر فرش کی طرف نظر) آئیے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہو گی۔ (موہن کے سر پر ہاتھ پھیر کر) اب ہم چائے پینے جائیں، تم آیا سے کہو نئے کھلونے اس میز پر چلائے۔ سمجھے موہن پیارے لیٹے لیٹے دیکھنا

(دونوں چلے جاتے ہیں)

کرنا۔ ڈاکٹر سنگھ۔ ہمارا موہنا بہت اچھا ہے۔ ہڈیاں سب ٹھیک ہو گئیں۔ زخم سب بھر گئے۔ کمزوری ضرور اور دس پندرہ دن لے گی۔ پھر دوڑنے کودنے لگے گا۔ لیکن اُس کا کیا ہو گا۔ اُس نے تو مجھ سے عہد لے لیا ہے کہ میں اُس سے جُدا نہ ہوں گی۔ (پرتھی کی طرف متوجہ ہو کر) اور آپ قانونی ضد کریں گے کہ وہ آپ کے پاس واپس جائے۔

پرتھی (تبسم) یہ لڑائی تو رہے ہی گی۔ ڈاکٹر ونی۔ ڈاکٹر کرنا وتی کیا اُس دن کی ملاقات سے آپ واقعی رنجیدہ ہو گئی تھیں۔

کرنا- میں نے اپنے اسکول کے ڈراما میں بھی کبھی حصّہ نہیں لیا- لیکن اب میں نے موہنا کی خاطر آپ کو معاف کر دیا- یہ دلّی کی مٹھائی بہت لذیذ ہے اور کتنی ہلکی- نہیں تو ہماری مٹھائیاں بڑی ثقیل ہوتی ہیں- دو ڈلیاں کھائیں اور بھوک مر گئی- یہ لوگ نئی چیزیں بنانی کیوں نہیں سیکھتے- وہی قلاقند، برفی، بالوشاہی- جو رام چندر جی کی شادی میں تقسیم ہوئی تھی- اب تک بنائی جاتی ہیں-

پرتھی- یہ قصور زیادہ تر ہمارا ہے- گاہک اپنے صحیح مذاق سے پیشہ ور کی حرفت میں اصلاح کیا کرتا ہے- آپ بڑی رحم دل ہیں- کہ آپنے اس دن کے واقعات کو بُھلا دیا-

کرنا- خوشامد سے مجھے نفرت ہے اور پھر مرد کی زبان سے- (خدمت گار آتا ہے اور کرنا سے کہتا ہے کہ صاحب کا بیرا آیا ہے- وہ بلا لیا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ پرتھی ناتھ سنگھ کی بہن مرزا پور سے آئی ہے- گاڑی باہر کھڑی ہے- کرنا جواب دیتی ہے- یہیں لے آؤ-

ایک نہایت خوبصورت لیڈی (سوبھدرا) بہت سادہ لباس میں داخل ہوتی ہے۔ پرتھی اور وہ بغل گیر ہوتے ہیں)

سوبھدرا۔ تم نے اتنی دیر میں خبر کی۔ سنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ تمھارے بہنوئی کچہری میں تھے۔ میں جس طرح بیٹھی تھی اُٹھ کر یہاں چلی آئی۔ کہاں ہے۔ موہنا۔ اب کیسا ہے۔

پرتھی (کرنا کی طرف اشارہ کر کے) یہ اِن سے پوچھیے۔

کرنا۔ اب بہت اچھا ہے (آیا بلائی جاتی ہے) آپ کو موہن کے پاس لے جاؤ (سوبھدرا سے) جلدی آئے گا۔ ادھر جائیے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ اُدھر بچہ تھکا ہوا ہے۔ ہم لوگ ابھی اُس کے پاس سے آئے تھے۔ (سوبھدرا اور آیا جاتی ہیں)

کرنا۔ ڈاکٹر سنگھ آپ نے اپنی بہن سے ہماری ملاقات نہ کرائی۔ کیوں آپ کیا سوچتے ہیں۔

پرتھی۔ (جیسے چونک کر) اور جو میں یہ کہوں۔ کہ آپ نے اپنے گھر میں میری اور میری بہن کی بڑی ہتک کی۔ کہ اُسے بیٹھنے تک کو نہ کہا۔

کرنا۔ آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ وہ بیچاری اتنی دور سے بچے کا حادثہ سن کر پریشانی کے حالت میں یہاں آئی۔ میں نے

مناسب سمجھا۔ کہ پہلے اُسے دیکھ آئے۔ تو اُس کا اطمینان ہو۔
آپ مرد ہیں ان باتوں کو کیا جانیں۔
پرتھی۔ اسی وجہ سے تو میں نے رسمی تعارف کے لیے اُس وقت اِسے
یہاں نہیں ٹھہرایا۔
کرنا۔ یہ محض وکیلوں والی بات ہے۔
پرتھی۔ اور آپ لوگوں کی ہر بات سے مسیحائی ٹپکتی ہے۔ کیونکہ بقول
آپ کے ذہنیت پیشہ سے متاثر ہوتی ہے۔
کرنا۔ پھر اِس میں کلام ہی کیا ہے۔ آخر اس بحث سے آپ کا
مطلب۔
پرتھی۔ جب سے اتفاق نے ہمارا ایک دوسرے سے سابقہ ڈالا
ہے۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں۔ اگر اب سے دس برس پہلے
ہم ملتے۔ اور اِس طرح بات بات پر لڑا کرتے تو مضائقہ
نہ تھا لیکن اب۔
کرنا۔ (ہنستے ہوئے)۔ اب جب سب واہیات لڑنے کے لیے
کوئی ساعت نکلوائی جاتی ہے۔ آپ اِسے لڑنا کہتے ہیں۔
میں تو ہمیشہ ضابطہ کی بات کرتی ہوں۔
(سو بھدرا آتی ہے باضابطہ تعارف ہوتا ہے)

کرنا۔ آپ نے بچے کو دیکھا۔ کیسا پایا۔
سوبھدرا۔ بہت خوش۔ ایسا خوش اُسے بہت دنوں بعد دیکھا۔
(دینا ناتھ اور اُس کی بیوی سوشیلا آتے ہیں تعارف ہوتا ہے)
دینا ناتھ۔ ڈاکٹر سنگھ تو میرے اُستاد ہیں۔ جناب آپ ہی کے نوٹوں
سے میں ایل۔ ایل۔ بی میں اوّل درجہ پاس ہوا تھا۔
پربھی۔ تمھاری محنت اور ذہانت بھی تو تھی۔ بھئی اب جناب و ناب
رہنے دو۔ تم برابر کے وکیل ہو۔ اور دو برس میں مجھ جیسے
ایڈوکیٹ ہو جاؤ گے۔ میں تمھیں دوست سمجھتا ہوں۔
اُستادی یا شاگردی ختم ہو چکی۔
کرنا۔ (پربھی سے) اچھا یہ آپ کے لکچروں کی تعریف کیا کرتا تھا۔
ڈاکٹر سنگھ۔ آپ ٹینس کھیلتے ہیں۔ ہاں۔ دینا۔ تم انھیں
ٹینس میں لے جاؤ۔ ہم لوگ بھی آئیں گے (سوبھدرا سے)
مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یہاں بیٹھیے اس آرام کرسی
پر۔ خاصا لمبا سفر کر کے آئی ہو۔ سوشیلا تمھارے اُٹھنے
کی ضرورت نہیں۔ ہاں۔ معاف کیجیے۔ مجھے آپ کے بھائی کے
گھر کا حال پوچھنا ہے۔ موہن کی ماں کہاں ہے مجھے شبہ
ہوتا ہے۔ کہ وہ ———

سوبھدرا۔ وہ مرگئی کوئی دو سال ہوئے۔
کرنا۔ اُس کی شکل صورت کیسی تھی۔
سوبھدرا۔ بہت خوبصورت۔
کرنا۔ بات یہ ہے۔ موہن مجھے اپنی ماں سمجھتا ہے۔ کیا مجھ میں اُس کی کچھ شباہت ہے۔
سوبھدرا۔ کچھ۔ بہت کچھ۔ وہی قد۔ وہی گورا رنگ۔ ہاں آپ اُس سے زیادہ سُندر ہیں آپ کے چہرے کے نقش زیادہ تیکھے ہیں اور یہ گردن کی لائن تو اتنی خوبصورت ہے کہ ——
کرنا۔ (سوبھدرا کے شانے پر ہلکے سے ہاتھ مار کر) یہ آپ مجھے بناتی ہیں۔ بات یہ ہے۔ کہ موہن مجھے اپنی ماں سمجھتا ہے۔ اور نہ جانے کیوں مجھے اُس سے محبت ہوگئی ہے۔ ہسپتال سے کئی دفعہ ٹیلیفون کرتی ہوں۔ کہ کیا کر رہا ہے۔ کیسا ہے۔ تمھارا بھائی ہے۔ کہ عدالت میں لڑکے کا دعویٰ کرنے کو طیار ہے۔ میرا لڑکا تو کون ہوتی ہے۔ میرے بچے کو رکھنے والی۔ مجھے بھی غصہ آجاتا ہے اور پھر ہم دونوں لڑتے ہیں۔ (تینوں لیڈیاں خوب ہنستی ہیں)
کرنا۔ میں حیران ہوں۔ کہ یہ مسئلہ آخر کیونکر حل ہوگا۔
سوبھدرا۔ حل یوں ہوگا۔ کہ بچہ آپ کے پاس رہے گا۔ دن میں ایک وقت

بھائی کے پاس جایا کرے گا۔ یا وہ خود آپ کی اِجازت سے اسے دیکھ جایا کریں گے۔ آپ کو معلوم نہیں۔ جب اُس کی ماں مری۔ تو یہ بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اب سے دور دوبارہ زندگی پائی۔ سب لوگ اِس سے یہی کہتے رہے۔ کہ وہ لڑ کر اپنے میکے گئی ہے۔ اب کہ اُس نے اِتنی تکلیف اُٹھائی ہے۔ اور ایسی جونکھوں سے بچا ہے۔ اصل بات کا اِظہار اُس کی جان سے دشمنی ہے۔ لیکن ——

کرنا۔ ہاں ہاں کہیے۔

سوبھدرا۔ کیا کہوں کہتے زبان بند ہوتی ہے۔ دیکھیے بہن ہم دُنیا میں رہتے ہیں۔ اور دُنیا کے سب کام روپیہ سے چلتے ہیں۔ مگر آپ کی محبّت جو بچّے سے ہے۔ اجازت نہیں دیتی۔ کہ اِس کا نام بھی زبان تک لایا جائے۔

کرنا۔ کہی نا ایک سلیقہ کی بات۔ آپ نہ کہتے سب کچھ کہہ گئیں۔ آپ کے بھائی ہیں۔ کہ چیک وَلب جیب میں ڈالے بغیر یہاں قدم نہیں رکھتے اطمینان رکھیے۔ موہن اور ہم دیوانی عدالت سے ڈرے بغیر اس گھر میں رہ سکتے ہیں۔

سوبھدرا۔ میں اُس کی طرف سے معذرت کرتی ہوں۔ بات یہ ہے۔ کہ جب سے موہن کی ماں مری ہے۔ وہ دُنیا گیا۔ اپنی زندگی

سے بے پرواہو گیا ہے۔ سنتی ہوں عورت ذات ۔بیوی خاوند کے تعلق پر دوستوں میں کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے۔ وکالت جو اُس نے نہیں چھوڑی تو موہن کی خاطر۔ اور یہی ایک کام ہے۔ جس میں اُس کا جی لگتا ہے۔

کرنا۔ آپ سے تو محبت معلوم ہوتی ہے۔

سوبھدرا۔ محبت بڑی محبت۔ میں اُس سے دو برس چھوٹی ہوں۔ مگر کسی بات پر تیز بولوں تو چپ ہو جاتا ہے۔

کرنا۔ پھر بیوی کا غم ہے۔

سوبھدرا۔ نہیں یہ بات میں اُس سے صاف کر چکی ہوں۔ کئی دفعہ اُس کی دوسری شادی کا سوال اُٹھا۔ مگر اُس نے یہی کہا۔ کہ بیوی مرد کی زندگی کی سب سے بڑی بپتا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا۔ آج کل نوجوان عموماً شادی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں۔ کہ ان کے چال چلن اچھے نہیں۔ مگر خیالات کی رَو ہی اِن دِنوں کچھ ایسی چلی ہے۔ اور لڑکے تو لڑکے میں دیکھتی ہوں لڑکیاں بھی شادی کے خلاف ہوتی جاتی ہیں۔ (سوشیلا گردن نیچی کر کے مُسکراتی ہے)

کرنا۔ آپ نے دیکھا۔ یہ لڑکی کتنی نٹ کھٹ ہے۔ یہ گویا کہتی ہے کہ

آپ کا اشارہ میری طرف ہے۔

سوشیلا۔ ہنس کر۔ میں نے کچھ کہا۔ کیوں جی۔ میں بولی بھی۔

سوبھدرا۔ نہیں صاف بات یہ ہے۔ کہ آپ کی نسبت مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ اور کیا آپ نے میرے بھائی کی نسبت اپنے بھائی سے کچھ نہ سُنا ہوگا۔

کرنا۔ میری نسبت بُرا ہی سُنا ہوگا۔ آپ کہتی ہیں۔ میں سُندر ہوں۔ لوگ کہتے ہیں۔ میری داڑھی مونچھیں نکلا چاہتی ہیں۔ کیونکہ میں مردوں کی طرح رہتی ہوں۔ اور حال یہ ہے۔ کہ (پوشاک کے اندر سے ایک پستول اور ایک چھُرا نکال کر دکھاتی ہے اور پھر وہیں رکھ لیتی ہے) مجھے اپنی عزت بچانے کو ہر وقت اونچی بنا رہنا پڑتا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ کہ مرد کیسی وحشی اور خود غرض جنس ہے۔ کام میرا ایسا ٹھہرا۔ کہ میں گویا ہر شخص کی ملکیت ہوں۔ لیکن میں نے نہایت سختی سے یہ قاعدہ باندھ رکھا ہے۔ کہ چند جانے پہچانے گھروں کے سوائے سُورج چھپے پیچھے کسی کے گھر پر مریض کو دیکھنے نہیں جاتی۔ فیس بھی اسی سے بڑھا رکھی ہے۔ کہ لوگ کم بلائیں۔

سوبھدرا۔ لوگ بکتے ہیں۔ جھک مارتے ہیں۔ آپ دیوی ہیں۔ کتنی

نیک اور بداوپکار کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہاں۔ تو موہنا کی بابت فیصلہ ہوگیا۔ میں بھائی کو سمجھا دوں گی۔ اور وہ جو میں نے عرض کیا تھا۔ اُس کا بھی خیال رکھیے گا۔

کرنا۔ کس کا۔

سوبھدرا۔ بھائی کا۔ اِس لیے کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھے اور اُسے زندگی میں دلچسپی پیدا ہو۔

کرنا۔ (سادگی سے) مگر وہ تو عورت کی پرچھائیں پر تلواریں چلاتے ہیں۔

سوبھدرا۔ مُسکراکر۔ آپ بھی تو مرد کے سایہ پر فائر کرتی ہیں۔ میرے خیال میں نہ وہ ایسے ہیں۔ نہ آپ ایسی ہیں۔ آپ کو اور اُس کو ایسا مرد اور عورت اب تک نہیں ملے۔ جو آپ کے معیار پر پُورے اُترتے۔ کرنا بہن اس میں مبالغہ نہ سمجھنا۔ میرے بھائی کا دل محبّت کا خزانہ ہے۔ اور آپ کا دل محبّت کا سمندر۔ آپ لوگ ابھی ایک دوسرے کو سمجھے نہیں۔

کرنا۔ اِس سے مطلب۔

سوشیلا۔ اِس سے مطلب یہ کہ ان کو کسی راج دربار میں منتری ہونا چاہیے تھا۔

کرنا۔ دیکھا آپ نے یہ اب تک آپ کا مطالعہ کرتی رہی تھی۔
اب بولی۔ اور بولی تو کیا پتے کی بات کہی۔
سوبھدرا۔ نند کی حمایت ہونی چاہیے تھی۔ (مرد آجاتے ہیں)
پربھتی۔ آپ ٹینس میں خوب تشریف لائیں۔
کرنا۔ کیا کہیئے آپ کی بہن کی باتیں ایسی دلچسپ تھیں۔ کہ کچھ خیال نہ رہا۔

۵

موہن۔ اماں۔ میں ابھی وہاں سے آرہا ہوں۔ پاپا بہت بیمار ہیں۔ سوئے ہوئے ہیں۔ بیرے نے کہا۔ کئی دن سے بخار ہے۔ اماں وہ کہتا تھا۔ کل سے نیند میں "کرنا۔ کرنا" پکار رہے ہیں۔ تم پوچھنا کیا کرنا ہے۔ کیا کام ہے۔ اچھا۔
کرنا۔ جبھی تمھیں دیکھنے نہ آئے۔ میں ابھی جاتی ہوں۔ تم یہیں کھیلو۔ پھر ماسٹر آئے گا۔ اچھا۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

پربھتی۔ (نہایت کمزور آواز میں) کروٹ ادھر کو
کرنا۔ (کپڑا ایک ہاتھ میں لے کر جو سی رہی تھی) ٹھہرو میں کروٹ بدلاتی ہوں۔

پرتھی۔ یہ تم سی کیا رہی تھیں۔
کرنا۔ تمھارا اشلوکا۔ مجھ سے خالی نہیں بیٹھا جاتا۔ کتاب پڑھتی تو تمھاری طرف دھیان نہ رہتا۔
پرتھی۔(خاموشی سے) ذرا سا پانی (پانی پی کر) میں کتنی دیر بے ہوش رہا۔
کرنا۔ (پرتھی کے ماتھے اور سر پہ ہاتھ پھیر کر) بہت دیر نہیں۔
پرتھی (کمزور تبسم) جی ہاں بہت دیر نہیں اور تم جب سے اب تک یہیں رہیں۔
کرنا۔ تو پھر اس میں کیا ہوا۔ میرا تو کام ہی بیماروں کی دیکھ بھال ہے۔
پرتھی۔ نرس ہے کوئی۔
کرنا۔ دیکھو اتنی باتیں نہ کرو۔ کمزوری بڑھ جانے کا ڈر ہے۔
پرتھی۔ اچھا ایک بات کا جواب دوگی۔ تم مجھے پھر اس دنیا میں کیوں لائیں۔
کرنا۔ (تبسم) اس لیے کہ تم موہن پیارے کے پاپا ہو۔
پرتھی۔ اور تم اپنے موہن کی امّاں ہو۔

کرنا - ہاں - ہوں پھر -
پرتھی - اور میں تمہارا کوئی نہیں -
کرنا - (منہ پھیر کر) تم مریض ہو -
پرتھی - مریض! مریضِ عشق نہیں کہتیں -
کرنا - یہ کلمہ میرے کانوں کے لیے انوکھا ہے -
پرتھی - کرنا - کرنا - کیا تم نہیں جانتیں - کہ تم نے میرے دل پر کتنا قبضہ کر رکھا ہے -
کرنا - (شوخی سے) مجھے لوگوں کے دل کی کیا خبر -
پرتھی - اچھا - میں پوچھتا ہوں - میں اس دنیا میں واپس کیوں لایا گیا - کونسی دلچسپی میرے لیے یہاں باقی ہے - رہا - بچّہ وہ مجھ سے کہیں بہتر ہاتھوں میں ہے - کرنا - نہیں نہ کرنا - تم نہیں جانتیں - کہ کیا کیا احساس تم نے مجھ میں پیدا کر دیے ہیں - میرا جینا فضول ہے - نا ممکن ہے - اگر میں تمہارا ہو کر نہ رہوں - کرنا - کیا میں تمہارے اِس سہانے نام کے پہلے ایک لفظ بڑھا سکتا ہوں - (کرنا مسکراتی ہے) -
(کرنا کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے چمکنے لگتے ہیں - چہرے پر

خفیف دلاویز تمتماہٹ دوڑ جاتی ہے۔ آنکھوں میں ایک قسم کی چمک پیدا ہوتی ہے ہونٹ پھڑکنے لگتے ہیں۔ وہ اپنا ہاتھ خاموشی سے پرتھی کی چھاتی پر رکھ دیتی ہے وہ اُسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے پھر ہونٹوں پر رکھ لیتا ہے۔ عین اُس وقت سوبھدرا اور کرنل فرینک۔ دینا ناتھ اور سوشیلا داخل ہوتے ہیں کئی لمحے تک کرنا اور پرتھی کو اُن کے آنے کا احساس نہیں ہوتا۔ آخر کرنا کی نظر اُن آنے والوں کی طرف جاتی ہے۔ اور وہ شرما کر گردن نیچی کر لیتی ہے۔ اور آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتی ہے۔ پرتھی کی نظر بھی آنے والوں کی طرف اُٹھتی ہے۔ اور وہ فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ سب لوگوں پر چند منٹ تک خوشگوار سکوت کا عالم طاری رہتا ہے۔ آخر)

سوبھدرا۔ بھائی بڑی تکلیف اُٹھائی۔ میں کل اِن کے چچا کے یہاں جاؤں گی۔

پرتھی۔ (آنکھیں کھول کر) مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔

دینا۔ وہ ہرگز آپ کی درخواست رد نہ کریں گے۔

سوشیلا۔ رسم کی چیزیں ساتھ لیتی جائیے گا۔

کرنا ۔ (پرتھی کی طرف) دیکھا یہ سب سازش میں شریک تھے۔ چالاک دنیا کی شرارت دیکھو۔ کرنل فرینک آپ نے دیکھا۔ یہ دُنیا کے آدمی کیسے ہوشیار ہوتے ہیں۔

کرنل ۔ جی ہاں۔ اب آپ پریزنٹ کا نام رکھیے (تبسّم)۔ (کرنا مُسکراتی ہے۔)

پرتھی ۔ مجھے بُھوک معلوم ہوتی ہے۔

کرنل ۔ (کرنا سے) اِس وقت صرف تھوڑا سا دودھ اِن کو پلاؤ۔ کل سب کچھ کھا سکیں گے۔

پرتھی ۔ کئی دن سے میں بیمار تھا۔ آخر کتنے دن سے۔

کرنل ۔ ایک ہفتہ تو بے ہوش رہے۔ خیر اب اس کا ذکر کیا۔

پرتھی ۔ آخر یہ بیماری تھی کیا؟ کوما۔

کرنل ۔ محض کوما نہ تھا۔ لیڈیاں معاف کریں گی۔ یہ بیماری تھی۔ جسے شاعر لوگ کہا کرتے ہیں۔ مرضِ عشق ایشیا والوں نے اِسے بیماریوں کی ذیل میں داخل کر رکھا ہے۔ جبھی تو ڈاکٹر وتی! میں تم کو ٹال دیتا تھا۔ جب تم دواؤں کا ذکر کرتی تھیں۔

(کرناوتی کمرے کے ایک کونے کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔

موہن اُس وقت سرکل چلاتا آتا ہے۔ اور کرنا کو اُس حالت میں دیکھ کر اُس کی طرف جاتا ہے۔ اور اُس کا دامن پکڑ کر کہتا ہے)

موہن۔ امّاں۔ امّاں۔ تم اُدھر مُنہ پھیر کر کیا دیکھ رہی ہو۔ پاپا پھر تم سے لڑے تو نہیں۔ ادھر آؤ۔ (گھسیٹتا ہے) میں پاپا سے تمھاری صلح کرادوں۔

دہلی اکسپریس

۱

مس گریو۔ مجھے کلکتہ جانا ہے اور ٹرین میں کہیں جگہ نہیں!

اسٹیشن ماسٹر۔ میں کوئی ترکیب نکالتا ہوں۔ تشریف رکھیے۔

یہ پہلی کرسمس ٹرین ہے (اسٹیشن ماسٹر ایک کلرک سے کہتا ہے) "بابو اس لیڈی کے لیے ایک جگہ کا انتظام کرنا ہے!

بابو۔ فرسٹ اور سکنڈ کلاس کے زنانہ درجے سب بھر چکے ہیں،

اسٹیشن ماسٹر۔ (مس گریو سے) آپ نے سُنا؟

مس۔ تو عام گاڑیوں میں سے کہیں جگہ دی جائے۔

اسٹیشن ماسٹر۔ اوہ! ہاں! بابو! ان کو لیجاؤ اور جہاں جگہ ملے ایک جگہ ان کے لیے نکالو!

بابو (جیب سے ایک پرچہ نکال کر) جناب جگہ کہیں نہیں۔ صرف ایک کوپے میں ایک جگہ خالی ہے۔

اسٹیشن ماسٹر۔ جلدی کرو! وہ بھی کہیں نہ رُک جائے۔ جاؤ!

بابو۔ جناب۔ اس میں علی گڑھ کے ایک انڈین جنٹلمین کی جگہ ریزرو ہے۔

اسٹیشن ماسٹر۔ اوہ! اس کو لعنت بھیجو۔ علی گڑھ تک برتھ خالی نہیں جا سکتا۔ تم سارے ڈبہ پر "صرف لیڈیوں کے لیے" کارڈ لگا دو اور اس لیڈی کا قبضہ اُس پر کرا دو۔

بابو۔ مگر ٹکٹ ہوڑے کا یہاں سے لیا گیا ہے اور اس جنٹلمین کا سامان ڈبہ میں اس وقت موجود ہے اور اس کا ایک دوست بھی بیٹھا ہوا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر۔ ہمارا تو حکم تھا کہ دیسیوں

کے لیے کوپے میں جگہ رزرو نہ کی جائے۔

بابو۔ اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کے حکم سے یہ برتھ خصوصیت سے روکا گیا ہے۔ (اسٹیشن ماسٹر ایک ہندوستانی جنٹلمین کو آتا دیکھ کر سامنے کے کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگتا ہے)

ہندوستانی۔ میں نے بہت پہلے چار برتھ دہلی اکسپریس میں ہوڑے کے لیے رزرو کرائے تھے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔

اسٹیشن ماسٹر۔ (کاغذوں کو دیکھتے ہوئے) ہم ہر آرڈر کی تعمیل کے پابند نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے پہلے سب جگہ رک چکی ہوگی۔

ہندوستانی۔ اچھا۔ تو میں ایک پوری گاڑی لینے کو تیار ہوں۔

اسٹیشن ماسٹر۔ اس کی ٹرین میں گنجائش نہیں۔

ہندوستانی۔ ٹرین کے بوجھ کی حد میں جانتا ہوں۔ اس میں ایک فرسٹ کلاس گاڑی کی گنجائش ہے۔ آپ چاہیں تو انتظام کر سکتے ہیں۔

اسٹیشن ماسٹر۔ (ٹیلیفون کی طرف منہ پھیر کر)

میں اخیری لفظ کہہ چکا ہوں۔
ہندوستانی ۔جنٹلمین زور سے پاؤں مارتا ہوا چلا جاتا ہے۔ ”ریلوے بجٹ“ کا لفظ اس کی زبان سے نکلتا سنائی دیتا ہے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ (مس گریو سے) مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو پورا درجہ نہیں دے سکتا۔ یہ آپ کی مرضی ہے کہ ایک کالے آدمی کے ساتھ اتنا لمبا سفر کریں۔ ایسا کرنے میں خطرہ ضرور ہے۔ اس سے آپ کو آگاہ کیے دیتا ہوں۔
مس۔ یہ معلوم کرنا تو شاید ناممکن ہو کہ یہ کون شخص ہے۔
بابو۔ یہ علی گڑھ یونیورسٹی کا ایک پوسٹ گریجویٹ ہے اور امریکن ٹیم کے ساتھ کرکٹ میچ کھیلنے کلکتہ جا رہا ہے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ تمہیں خفیہ پولیس میں ہونا چاہیے۔ (مس گریو سے) آپ نے سن لیا۔ میری مجبوری آپ محسوس کرتی ہونگی۔
مس۔ اوہ شکریہ! مجھے ایک ہندوستانی کے ساتھ سفر کرنے میں کوئی خوف نہیں معلوم ہوتا۔ آپ کا مطلب یہ پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی ناگوار صورت پیدا ہو تو

آپ اس کے ذمہ دار نہیں۔ اس ذمہ داری سے میں آپ کو
بری کرتی ہوں (اسی دوران میں گارڈ آتا ہے۔)

گارڈ۔ ٹرین لیٹ ہو رہی ہے۔

اسٹیشن ماسٹر۔ ابھی روانہ ہو جائیگی۔ یہ لیڈی
ایک ہندوستانی جنٹلمین کے ساتھ ہوڑا کا سفر کر رہی ہے۔ تم
ہر اسٹیشن پر ان کی خبر رکھنا اور اگلے گارڈ سے بھی کہہ دینا۔

۲

حبیب۔ سب ٹھیک ہے ؟

پریم۔ سب ٹھیک تو ہے لیکن تمھاری ہم سفر
ایک لیڈی ہے۔

حبیب۔ ایک لیڈی۔ یہ کیوں ؟ وہ زنانہ
درجہ میں کیوں نہ گئی ؟

پریم۔ اسے کہیں جگہ نہ ملی۔ خبردار رہنا۔
میں نے سنا ہے یورپ میں کوئی مرد ایک لیڈی کے ساتھ اکیلا
سفر نہیں کرتا۔

حبیب۔ بڑی دقّت کی بات ہے۔ تمھاری
اس کی گفتگو ہوئی۔

پریم۔ وہ لہجہ سے امریکن معلوم ہوتی ہے۔
اس کے بکس پر آدھا نام پڑھا گیا۔ "ایو" مجھے شبہہ ہوا کہ
مبادا یہ مس میو کی چھوٹی بہن ہو۔ ویسے تو خلیق اور معصوم
معلوم ہوتی ہے۔ لیکن نہ جانے اس 'ایو' سے مجھے یہ ضد
کیوں ہو گئی کہ اس سے بات نہ کروں۔ جب وہ بولتی ہی
گئی تو میں نے ایک کاغذ پر پنسل سے یہ لکھ کر اس کے آگے
کو کر دیا کہ میں بہرا اور گونگا ہوں۔

حبیب۔ (قہقہہ لگا کر) پریم۔ تم بھی عجیب
آدمی ہو۔

پریم۔ حبیب! جاتے ہی پہلا کام یہ ہو کہ
بہن کی خیریت کا تار دینا۔ نہیں تو میں پرسوں یہاں سے
روانہ نہیں ہوں گا۔ سمجھے!

حبیب۔ ہاں سمجھا۔ مسٹر بہرا گونگا۔

۳

مس گرلو۔ میں کہتی ہوں یہ آپ کا دوست
بھی عجیب آدمی ہے۔ دہلی میں جو میں نے اس سے کچھ پوچھا تو
اس نے ایک چٹ میرے آگے کر دی جس پر لکھا تھا

"میں بہرا اور گونگا ہوں۔"

حبیب۔ (ہنس کر) ہاں اس نے مجھے بتایا۔

مس۔ مگر وہ تو بہت اچھی انگریزی بولتا ہے۔

حبیب۔ وہ ہندوستان کی ساری یونیورسٹیوں کے تقاری کے باہم مقابلے میں اول انعام اور تمغہ لیے ہوئے ہے۔

مس۔ پھر یہ نفرت کیوں؟

حبیب۔ اس کی کئی وجہ ہیں۔

مس۔ وہ کیا میں سننا چاہتی ہوں۔

حبیب۔ ہندوستان ہے تو ہمارا وطن۔ لیکن اپنے ہی گھر میں ہماری حالت بیان کے قابل نہیں۔ ایک یوربین اور پھر یوربین لیڈی سے خود دار ہندوستانی بہت ہچکچاتا ہے۔ کیونکہ یوربین کا صرف اتنا کہہ دینا کہ اس نے میری گستاخی کی۔ بیچارے ہندوستانی کی گرفتاری کے لیے کافی ہوتا ہے۔

مس۔ میں انگریز نہیں۔ امریکن ہوں۔

جلیب۔ وہ تو میں آپ کے لہجے سے سمجھ گیا تھا۔

مس۔ آپ لوگ بڑے ذکی معلوم ہوتے ہیں۔

جلیب۔ یہ آپ کا حسنِ ظن ہے۔

مس۔ آپ نے انگریزی کہاں حاصل کی؟

جلیب۔ یہیں ہندوستان میں۔

مس۔ آپ مجھے تعجب میں ڈالتے ہیں۔ ہم لوگ تو انگریزی کی تکمیل کے لیے بچوں کو امریکہ سے انگلستان بھیجتے ہیں۔ حالانکہ ہماری مادری زبان انگریزی ہے۔ اور آپ لوگ اپنے گھر میں رہ کر ہی ایسی اچھی اور صحیح انگریزی کے ماہر بن جاتے ہیں۔

جلیب۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری اپنی زبانیں اُردو، ہندی، وغیرہ بہت پختہ صرف و نحو رکھتی ہیں۔ اور ادبی نفسیات کا یہ اصول متعارفہ ہے کہ جب لوگ اپنی زبان اچھی طرح جانتے ہوں اور اس زبان کی گرامر سائنٹیفک اصول پر مبنی ہو تو وہ غیر زبان آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ اور پھر ہماری اکثر زبانیں اور انگریزی

ایک خاندان کی یعنی آرین ہیں۔

مس۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ہندوستانی انگریزوں سے اتنی دور کیوں بھاگتے ہیں؟

حبیب۔ (مسکراکر) اس کی تشریح اس وقت معلوم ہوگی جب اگلے اسٹیشن پر میں اپنا سامان لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔

مس۔ (سامنے آکھڑی ہوتی ہے) میں تم کو ہرگز جانے نہ دوں گی۔ تم کیونکر جا سکتے ہو؟

حبیب۔ (کھڑے ہوکر) میں اپنی ٹانگوں کے زور سے جا سکتا ہوں اپنی تئیں خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

مس۔ خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا! کیا خطرہ ہے یہاں؟

حبیب۔ یہ بتانا میرا فرض نہیں۔ آخر آپ کو کیا حق ہے کہ مجھے یہاں روکے رکھیں۔

مس۔ یہ حق ہے کہ میں اکیلی ہوں۔ غریب الوطن ہوں۔ آپ عجیب شریف آدمی ہیں کہ مجھے اس لمبے سفر میں

اکیلا چھوڑ کے جاتے ہیں۔ جب کہ چلتی گاڑی میں وارداتوں کی کمی نہیں۔ میں آپ کے وطن میں ہوں اور آپ میری حفاظت سے جی چراتے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنے قد اور ورزشی رگ پٹھے سے رعب میں لانا چاہتے ہیں۔ (یہ کہہ کر وہ لمبی سیٹ کے پرلے کونے پر جا کر جبیب کی طرف سے پیٹھ موڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ جبیب چند لمحے چپکا کھڑا رہنے کے بعد اس کے قریب آتا ہے اور کہتا ہے۔)

جبیب۔ مس گرہ یونا حق خفا ہو گئیں اور غصّے کی جھانج میں یہ پوچھنا بھول ہی گئیں کہ میرا دوست گونگا اور بہرا کیوں بن گیا تھا۔

مس۔ (جبیب کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے) تم تو میری پرچھائیں کاٹتے ہو۔ ذرا آدمی بنو تو بات کروں۔

جبیب۔ تو کیا اب تک میرا برتاؤ جانوروں یا وحشیوں کا سا تھا۔

مس۔ یہ۔ یہ دیکھو پھر لڑائی شروع ہوئی۔

جبیب۔ لڑنے پر آمادہ آپ ہیں کہ میں۔

مس۔ آخر ہم کس گھڑی سے نکلے تھے۔

(ہنستی ہے)

حبیب۔ پریم کی ماں نے مجھے کہلا بھیجا تھا کہ یہ دن کلکتہ کے سفر کے لیے اچھا نہیں۔ کل جاؤ۔

مس۔ یہ پریم کون ہے؟

حبیب۔ میرا دوست اور دھرم کا بھائی۔

مس۔ دھرم بھائی کیسا ہوتا ہے؟

حبیب۔ جیسے۔۔

مس۔ ہاں۔ ہاں۔ کہتے کہتے رُک کیوں گئے؟

حبیب۔ میں یہ کہنے کو تھا کہ جیسے تم اور میں دھرم کی بہن بھائی بن جائیں۔

مس۔ وہ کیوں کر بنتے ہیں؟

حبیب۔ جس طرح پریم اور اس کی بہن اور میں دھرم کے بہن اور بھائی ہیں۔

مس۔ مگر تم کون ہو؟

حبیب۔ میں مسلمان ہوں۔

مس۔ اور پریم؟

حبیب۔ وہ ہندو ہے۔

مس ۔ اور پریم کی بہن ؟

حبیب ۔ (ہنس کر) وہ بھی ہندو ہے اور کون ہوتی ۔

مس ۔ یہ میں نے آج سُنا ۔ ہندو مسلمان آپس میں ایسے رشتہ کرتے ہیں ۔

حبیب ۔ جی ہاں ۔ شیر و شکر ہیں ۔ ہماری جائداد کا منتظم ایک ہندو ہی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے ہندوستان پر ایک مس میو کی کتاب ہی پڑھی ہے ۔

مس ۔ اوہ ۔ وہ بالکل واہیات ہے ہم نے امریکہ میں اس کی ذرا پروا نہ کی ۔ وہاں مس میو کو " بہتان باز " نام دیا گیا ہے ۔ اس کا چرچا انگریزی اخباروں ہی میں ہے ۔

حبیب ۔ لکھوائی جو انگریزوں نے ۔ یہ سارے ہندوستان کا یقین ہے ۔

مس ۔ ہاں ۔ وہ بات تو رہ ہی گئی تمہارا دوست بہرا اور گونگا کیوں بن گیا تھا ؟

حبیب ۔ وہ تمہارے سامان کی کسی چیز پر سے صرف " ایو " ہی پڑھ سکا ۔ لیبل کا شروع کا حصّہ اور

چیزوں سے دبا ہوا تھا۔ آج کل سارے ملک میں مس میو سے نفرت تو ہے ہی وہ یہ سمجھا کہ تمہارا نام بھی میو ہے۔ اور امریکن وہ تمھیں پہلے جملے سے ہی سمجھ گیا تھا۔ خیال کیا کہ شائد تم مس میو کی چھوٹی بہن ہو۔ یہی سبب اس کے بہرے اور گونگے بننے کا تھا۔

مس۔ یہ بات ہے۔ کلکتہ تو وہ آئے گا نا۔ وہاں اس کی خبر لی جائے گی۔

حبیب۔ وہ میرا جیسا بھولا بھالا نہیں کہ آپ کی دھمکیوں میں آجائے۔

مس۔ کیوں نہیں آپ بڑے بھولے بھالے ہیں۔ چشم بد دور۔

حبیب۔ بھولا بھالا نہیں ہوں۔ ابھی تم روٹھ کر بیٹھ موڑ کر ادھر کو بیٹھ گئیں تھیں۔ تو تمھیں ہنسایا کہ نہیں ؟

مس۔ نہیں۔ مسٹر حبیب۔ مجھے بہت رنج ہوا تھا۔ میں یہ سمجھی کہ تم مجھے نہایت نفرت کے قابل سمجھتے ہو۔

حبیب۔ مجھے افسوس ہے کہ میری کسی بات سے آپ کو رنج پہنچا۔

مس۔ آہ۔ اس کا خیال نہ کرو۔ اب تو ہم دوست ہیں۔

حبیب۔ اگر یہ اعزاز مجھے بخشا جائے۔

مس۔ یہ درباری مصاحب کی سی گفتگو ہے۔ میں کہتی ہوں کہ یہ بات کیا ہے۔ مجھ سے تو کچھ اور ہی کہا گیا تھا۔ مسٹر حبیب میں دو مہینے سے ہندوستان میں اکیلی سفر کر رہی ہوں۔ مجھے تو کوئی ہندوستانی بے تمیز یا گستاخ نہ ملا۔ اور پھر ہندوستانیوں اور انگریزوں کے تعلقات پولٹیکل وجہوں سے اتنے کھچے ہوئے ہیں۔ انگریز ہندوستانیوں کو بُرا کیوں کہتے ہیں؟

حبیب۔ اس جواب تو ہمارے لیڈر دے سکتے ہیں۔ ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب سے ہندوستان میں پولٹیکل بیداری شروع ہوئی انگریزوں کو خوف ہونے لگا کہ کبھی نہ کبھی اس ملک کی قسمت کی باگ ضرور ہاتھ سے چھوڑنی پڑے گی۔

مس ۔ بالکل درست ۔ پھر ۔

جبیب ۔ پھر یہ کہ انگریز یہاں دو جماعتوں پر منقسم ہیں ۔ ملازم تو ان معاملوں میں اپنی ذاتی غرض سے کام رکھتے ہیں جو ملازم نہیں انھیں یہ خوف ہے کہ جب ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کی مرضی پر چلنے لگے گی تو وہ ان کی ڈیڑھ صدی کی شاہ مزاجیوں کے بدلے ان سے لیں گے ۔

مس ۔ اگر لیں تو بالکل قدرتی بات ہوگی ۔

جبیب ۔ مگر ہمارے متعلق قدرتی نہیں ۔

مس ۔ وہ کیوں کر ؟

جبیب ۔ دیکھنا یہ ہے کہ جب اس ملک میں ہماری حکومت تھی اور زوروں پر تھی تو ہم نے فرنگیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ۔

مس ۔ ہاں ۔ ہاں ۔ ہم معاملے کے نہایت دلچسپ حصے پر پہنچ رہے ہیں ۔ کیا سلوک کیا ؟

جبیب ۔ اورنگ زیب عالمگیر اینگلو انڈین مورخوں کی بدولت نہایت متعصب اور سخت گیر مغل

بادشاہ ہونے کی شہرت رکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ پکّا مذہبی آدمی تھا اور شرع کا سخت پابند۔ رپورٹ ہوئی کہ سورت میں جن فرنگیوں کو تجارت کی کوٹھیاں کھولنے کی اجازت ملی ہے وہ شراب رکھتے ہیں اور پیتے ہیں اور شراب رکھنا یا پینا پلانا اسلامی شرع میں سخت جرم ہے۔ اورنگ زیب نے اس رپورٹ پر یہ حکم جاری کیا کہ اہل یورپ کی یہ قومی عادت ہے ان کے ساتھ شراب کے متعلق روک ٹوک نہ ہونی چاہیے۔

مس۔ نہایت معقول حکم ہے۔

حبیب۔ اب ہم کو انگریزوں اور فرنگیوں کا دو صدی کا تجربہ ہے اور ہم دنیا کی سیاسیات سمجھتے ہیں تو سوراج حاصل ہونے پر ان انگریزوں کے ساتھ جو رعایا کی طور پر یہاں رہ جائیں گے نامناسب سلوک کیوں کر ہو سکتا ہے۔

مس۔ وہ دہلی کا اسٹیشن ماسٹر تم کو کالا آدمی کہتا تھا تم تو اس سے کہیں گورے چٹّے ہو۔

حبیب۔ اچھا۔ وہ کالٹین۔ میں ایک

اس کی گرد جھاڑ چکا ہوں۔ (ہنستا ہے)

مس۔ ہنسے کیوں؟

حبیب۔ مجھے "لارڈ سابسری کا کالا آدمی یاد آگیا"۔

مس۔ وہ کیا بات ہے ضرور سناؤ۔ لارڈ سابسری تو ایک دفعہ انگلستان کا بڑا وزیر تھا نا۔ پھر کیا ہوا؟

حبیب۔ ہاں۔ ہوا یہ۔ کہ پارلیمنٹ ٹوٹی اور نیا انتخاب ہوا۔ مسٹر دادا بھائی نوروجی کا نام شاید تم نے سنا ہو۔ ان کو سب ہندوستان کا بزرگ کہتے ہیں۔ آج کل کی سیاسی تلقین یہاں انھیں سے چلی۔ وہ بمبئی کے رہنے والے تھے اور ان کا رنگ و روغن ——

مس۔ ہاں۔ ہاں۔ کہو۔

حبیب۔ کہوں تو خوف ہے تم پھر لڑنے لگوگی۔

مس۔ (مسکراکر) معلوم ہوا کہ تم شریر بھی ہو۔

حبیب۔ اور کیا کچھ ہوں؟

مس۔ بھئی لڑنے کو جانے بھی دو اور سیدھے سیدھے وہ بات سناؤ۔ تم کیا کہنے کو تھے؟ مسٹر نوروجی کا رنگ۔

حبیب۔ مجھ سے اور تم سے زیادہ سُرخ سفید تھا۔

مس۔ پھر اس میں میرے لڑنے کی کیا بات ہے۔ میں اپنے تئیں خوبصورت ہرگز نہیں سمجھتی۔

حبیب۔ تو تمھارا خوبصورتی کا معیار محض خیالی ہوگا۔

مس۔ میں نہیں سمجھی۔ اس کا مطلب؟

حبیب۔ یعنی تم واقعی بہت حسین ہو۔

مس۔ (عارضی سُرخی کی جھلک چہرے پر پھوٹ نکلتی ہے) خیر میں کچھ ہی ہوں۔ ہاں۔ پھر؟

حبیب۔ پھر یہ کہ مسٹر نوروجی بھی جنرل الکشن میں لبرل پارٹی کی طرف سے انتخاب میں امیدوار تھے۔ انگلستان میں تو مخلوط نسلوں کے آدمی بستے ہیں نا۔ سالسبری ان سانولے خاندانوں میں تھا جو انگلستان میں مشہور ہیں۔

مسٹر نوروجی کے مقابلہ میں اسے کالا آدمی کہنا چاہیے۔ خیر وہ کنسرویٹو پارٹی کا لیڈر تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ ایک ہندوستانی پارلیمنٹ کا ممبر ہو۔ اس نے لبرلوں پر طعن کرتے ہوئے انتخاب کے ایک جلسے میں مسٹر نوروجی کو کالا آدمی کہا۔ پھر کیا تھا لبرل پریس نے ان دونوں کی اصلی رنگ کے مطابق رنگین تصویریں چھاپیں۔ اور بڑا شور ہوا۔ اگر سابسری مسٹر نوروجی کو کالا آدمی نہ کہتا تو شاید وہ انتخاب میں چُنے نہ جاتے۔ وہ انتخاب میں آ گئے۔ اب تم نے سُنی لارڈ سابسری کے کالے آدمی کی کہانی؟

مس۔ اوہ۔ نہایت دلچسپ۔ حبیب مسٹر حبیب۔ تم لوگ تو اس ملک کے موسم کے باوجود کالے ہرگز نہیں کہے جا سکتے۔ وہ تمھارا بہرا گونگا دوست بھی گورا تھا۔ اور ہاں وہ بہن کا کیا ذکر تھا۔ تمھاری بہن کا؟

حبیب۔ نہیں اپنی بہن کا۔ اور وہ میری بھی بہن ہے۔ رادھا۔ یہ اس کا نام ہے۔ کلکتہ میں رہتی ہے۔ اُس کا خط دو ہفتے سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کلکتہ پہنچتے ہی اس کی خیریت کا تار دوں۔ نہیں تو وہ پرسوں کلکتہ کے لیے

روانہ نہیں ہوگا۔

مس۔ اچھا تو مسٹر گونگا بہرا بھی کلکتہ آرہے ہیں۔ دیکھو وہاں کیسا ٹھیک بناتی ہوں ان کو۔ تم کلکتہ میں کہاں ٹھہروگے؟

حبیب۔ وہیں بہن کے پاس۔

مس۔ وہ تو ہندو ہے نا؟

حبیب۔ ہاں۔

مس۔ اور تم مسلمان ہو؟

حبیب۔ پھر؟

مس۔ پھر یہ کہ تمھاری باتیں بیڈھب چونکانے والی ہیں۔ میں نے تو یہ سُنا ہے کہ ہندو کو مسلمان اکیلا ملے تو وہ اُسے مار ڈالتا ہے اور اسی طرح مسلمان اکیلے دُکیلے ہندو کے پیٹ میں چھُرا بھونک دیتا ہے۔

حبیب۔ تم سے کم میرے دوست کے اور میرے تعلقات کا اندازہ تو تم نے کر لیا ہوگا۔

مس۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں تمھاری کتنی بیویاں ہیں؟

(حبیب مارے ہنسی کے بے قابو ہو جاتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو جاتا ہے مس گریو بھی ہنسنے لگتی ہے)

حبیب۔ میں ابھی کنوارا ہوں۔ منگنی بھی نہیں ہوئی۔

مس۔ آہ۔ لوگ بھی کیا بہتان باندھتے ہیں۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں کوئی بارہ برس کا لڑکا اور دس برس کی لڑکی بن بیاہ کے موجود نہیں۔ اور مرد خاص کر مسلمان جہاں بیس برس کا ہوا اور ہر سال ایک نئی بیوی کر لیتا ہے۔

حبیب۔ مس گریو۔ میں ان دروغ بیانوں کی طرح تم کو گمراہ کرنا نہیں چاہتا۔ ہر قوم میں بُرے لوگ بھی ہوتے ہیں اور بھلے بھی۔ اچھی قوم وہ ہے جو بُرائی کو بُرا سمجھے اور اس میں اچھے آدمی زیادہ ہوں۔ بُری قوم وہ جس میں بُرائی کو بُرا نہ سمجھا جائے اور اس میں بُرے آدمیوں کی کثرت ہو۔ یورپ والوں نے یہ بڑی بے ایمانی یا غلطی کی کہ محدود یا منگھڑت مشاہدے اور ناقص تجربے کی

بناء پر عام نتیجے نکال لیے اور کُلیّے قایم کر لیے۔ اور اب یہ غلط فہمیاں ان کے دماغ میں جم گئی ہیں۔

مس۔ جب سے تم نے سوراج مانگنا شروع کیا تب سے یہ جھوٹ کا طوفان بڑھ گیا۔

جبیب۔ جب سے پولیٹیکل حقوق کا لفظ ہندوستان کی زبان پر آیا۔

مس۔ یہ باتیں کب تک چلیں گی؟

جبیب۔ جان بُل کے دو بڑے وصف ہیں۔ استقلال اور امید نہ چھوڑنا۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ گدھ کی طرح امید باندھے بیٹھا ہی رہتا ہے۔

مس۔ پاپا کو یہ باتیں سنائیں گے کلکتہ میں۔

جبیب۔ تمہارے والد کلکتے میں رہتے ہیں۔

مس۔ رہتے نہیں۔ وہ اپنی تجارت کے سلسلہ میں آئے ہیں۔ میری ماموں زاد بہن بھی اِن کے ساتھ ہے۔ وہ سیدھے کلکتہ چلے گئے۔ میں مغربی اور شمالی ہند کا دورہ کر کے آرہی ہوں۔ اِن سے ضرور ملنا۔

جبیب۔ اگر انھیں ملاقات کی عزّت بخشنے کی فرصت ہوئی۔

مس۔ تم خاصے درباری آدمی معلوم ہوتے ہو۔

جبیب۔ کئی پشت سے ہمارے خاندان کا تعلق کسی دربار سے نہیں رہا۔ کلام کا یہ طرز صرف انگریزی تکلف ہے۔ ہمارا ہندوستانی جملہ اس موقع پر یہ تھا کہ "ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی برکت حاصل کروں گا۔"

مس۔ برکت کا کیا محل ہے۔ وہ کوئی بشپ تھوڑی ہیں۔

جبیب۔ بزرگوں سے ملنا بڑی برکت ہے۔

مس۔ پاپا تمھارے بزرگ کیسے بنے؟

جبیب۔ تمھارے جو باپ ہیں نا۔

مس۔ پھر۔

جبیب۔ ہماری تہذیب میں دوست کے بزرگ کو ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا اپنے بزرگ کو۔

مس ۔ مگر میں کون ہوں ؟
حبیب ۔ دوست ۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔
مس ۔ ٹھیک سمجھتے ہو ۔ اچھا پھر لڑنا مت ۔
حبیب ۔ یہ پھر تم کو لڑنے کا دھیان آیا ۔
مس ۔ اچھا پریم کے کتنے بچّے اور بیویاں ہیں ؟
حبیب ۔ (قہقہہ) دو سو بچّے اور ایک سو بیویاں ۔
مس ۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے ۔
حبیب ۔ وہ بھی کنوارہ ہے ۔
مس ۔ تو اب تک میں بڑے مغالطے میں رہی ۔ مجھے جو کچھ بتایا گیا ہے سب واقعات کے خلاف ہے۔

....

مس ۔ کرکٹ میں تمہارا ہتھیار بلّا ہے اور پریم کا گیند ۔ مگر اُس کا چہرہ کیسا لڑکیوں کا سا ہے ۔ کیوں ۔ ہے کہ نہیں ؟ وہ کیا گیند دے گا ۔
حبیب ۔ ایسی گیند دے گا کہ مہمان ٹیم کا

ناکوں دم کر دے گا۔

مس۔ بس منہ دھو رکھو۔ امریکن ٹیم تھیں جیت کر رہے تو سہی۔ ہم تو گرینڈ ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ تم کہاں رہو گے؟

حبیب۔ کل بتا تو چکا ہوں بہن کے پاس۔

مس۔ کل۔

حبیب۔ (کھڑکی کی طرف اشارہ) اس شیشے میں سے دیکھو وہ کیا ہو رہا ہے۔ سورج نکل رہا ہے۔

مس۔ (جماہی لے کر) اوہ! تو ہم رات بھر جاگتے اور بکواس کرتے رہے۔ اب کچھ سو رہیں۔

حبیب۔ اس سے طبیعت بگڑ جائے گی۔ ٹرین کی چال دھیمی ہو رہی ہے۔ ابھی اسٹیشن آرہا ہے۔ وہاں چائے ملے گی۔ چائے پی کر حاضری کی تیاری کرنی چاہیے۔ حاضری کے بعد سو رہنا۔

۴

مس۔ ڈنر پر وہ انگریز جو تم سے باتیں کرتا تھا کون تھا؟

حبیب۔ وہ ایک سویلین ہے۔ میرے باپ کا شاگرد ہے۔ ان سے اس نے جوڈیشل کام سیکھا ہے اور اردو پڑھی ہے۔ ایک دفعہ والد دورے پر گئے تو میں اسے پڑھاتا رہا۔

مس۔ وہ الگ کو لے جاکر اس نے کیا کہا تھا؟

حبیب۔ تمہاری نسبت پوچھتا تھا کون ہیں۔

مس۔ پھر تم نے کیا جواب دیا؟

حبیب۔ (جماہی لے کر) اسے لعنت بھیجو۔
میں کہتا ہوں ایک رات اور ایک دن تو ہمیں بکتے بکتے بیتا۔ آج رات بھی کیا باتوں ہی میں ختم کرنی ہے۔ (مسکراکر)
تم نے مجھے اپنا محافظ مانا ہے نا؟

مس۔ بے شک۔

حبیب۔ (مصنوعی سنجیدگی سے) میں تمہارے محافظ کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ اب اپنے بستر پر جاؤ۔
میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم ہوڑا اسٹیشن پر لال آنکھیں لے کر اترو۔

مس۔ (مسکراکر) سچ مچ تم بڑے اچھے محافظ ہو۔

حبیب وہ تمہارے مسٹر گونگا کی ماں کی پلیٹین گوئی تم تو

صحیح ثابت نہ ہوئی۔ تم لوگ بہت وہم پرست ہو۔

جبیب۔ ساری دنیا وہم پرست ہے۔ بادشاہ جارج پنجم ۱۹۱۱ء میں تاج پوشی کے دربار کے لیے جب ہندوستان آنے لگے تو روانگی کا دن جمعہ مقرر ہوا تھا۔ جہاز والوں نے اس روز لنگر اُٹھانے سے اِنکار کر دیا کیونکہ جمعہ کے دن کوئی اگلا بادشاہ جہاز پر سوار ہو کر گیا تھا اور واپس نہ آیا۔ آخر شاہی پروگرام بدل ڈالنا پڑا۔ تو کیا اس سے کل انگریزی قوم واہمہ پرست ہو گئی۔

مس۔ ہاں۔ ہاں۔ محبت انسان کے دل میں بعض کمزوریاں پیدا کر دیتی ہے اور یہ بہت سُہانی اور پرستش کے قابل ہوتی ہیں۔

جبیب۔ ہوتی ہونگی۔ اب پھر گفتگو کا سلسلہ چھڑا چاہتا ہے۔ مس گریو! ایک اچھی لڑکی کی طرح اب بستر پہ جاؤ۔

مس۔ (ہنس کر) تم تو اس طرح حکم دیتے ہو جیسے مائیں خفگی کے وقت بچّوں کو سونے کے لیے بھیجا کرتی ہیں۔

حبیب۔ میں اب نہیں بولوں گا۔

مس۔ بول تو رہے ہو۔

(حبیب زور سے ہونٹ بھینچ کر اپنا منہ مس گریو کو دکھاتا ہے مسکراتا جاتا ہے اور سب کھڑکیوں اور دروازوں کی چٹخنیاں بند کرکے مس گریو کو "گڈ نائٹ" کہتا ہوا اُوپر کے برتھ پر چلا جاتا ہے)

۵

(کھٹ پٹ۔ دھم دُھس۔ گڑگڑ۔ چیخ چہاڑ)

مس۔ حبیب تم کہاں! یہ کیا ہوا؟

حبیب۔ سخت حادثہ ہوا ہے۔ ٹرین ٹکرائی تو نہیں۔ معلوم ہوتا ہے لائن سے گر پڑی ہے۔ اُلٹ گئی۔ تمھیں چوٹ تو نہیں لگی۔

مس۔ میں سیٹ سے نیچے گر پڑی ہوں۔ میرا دم گھُٹ رہا ہے تم کہاں ہو؟

حبیب۔ جب تم نیچے فرش پر گریں میں اُوپر سے گرا۔ یہ خوش قسمتی تھی کہ میں بالکل تمھارے اُوپر پھینکا گیا۔ مگر میرے اُوپر بہت بوجھ ہے۔ جیسے ساری

گاڑی میری پیٹھ پر ہے میں اسے سہار نہیں سکتا۔ میرے ہاتھ پاؤں سُن ہونے کو ہیں۔ نکلو۔ نکلو!

مس۔ تم کو اس حالت میں چھوڑ کر۔ اور جاؤں کہاں؟

حبیب۔ وہ تختہ ٹوٹا ہوا ہے۔ جہاں سے چاند کی روشنی آتی ہے۔ اس میں سے نکلو۔ نکل جاؤ۔ جلدی۔ پہلے ٹانگیں۔ سر کے بل نہیں۔ سنبھل کر۔ جاؤ۔ اور مدد مانگو شاید میں بچ جاؤں۔

۶

مسٹر گریو۔ ڈاکٹر سے آپ نے سنا کہ اب خطرہ نہیں رہا اب آپ اپنی رخصت کے پورا ہونے پر جا سکتے ہیں۔

محبوب علی۔ اوہ۔ مسٹر گریو! میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے میرے بچّے کی جان بچائی۔ کیسا اچھا علاج کرایا۔ یہ میرا اکلوتا بچّہ ہے اور میری زندگی کا سہارا۔

گریو۔ یہ آپ کی صرف مہربانی ہے۔ جو

ایسا فرماتے ہیں۔ اس نے بھی تو میری اکلوتی بچّی کی
جان بچائی۔ میں عمر بھر اس کا احسان نہ بھولوں گا۔
محبوب۔ یہ آپ کی نیک خیالی ہے۔ اب
دیکھنا یہ ہے کہ لڑکا بیماری سے اُٹھ کر کیسا رہتا ہے۔ ڈاکٹر
تو پوری اُمید دلاتا ہے۔
گریو۔ جی ہاں۔ ممکن ہے کہ پیٹھ میں کچھ نقص
رہ جائے۔
محبوب۔ ہمیں اس کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔
میں یہاں کے ایک دیسی جرّاح کو جانتا ہوں۔ جو ریڑھ کی
ہڈی ٹھیک کر دے گا۔ ڈاکٹر اُسے ڈسچارج کر دیں تو میں
اس جرّاح کو بلاؤں گا۔
گریو۔ مجھے جو اندیشہ ہے وہ اُس کے دل
کا ہے۔
محبوب۔ دل کی تو کبھی شکایت نہیں ہوئی۔
گریو۔ میرا مطلب دل کے عارضے سے نہیں
بلکہ دل کی لگاوٹ سے ہے۔ نرس کی رپورٹ آپ نے
سُن ہی لی ہے۔ وہ بیہوشی کی ہذیانی حالت میں میری کا

نام بولتا رہا۔ اور جو اس کی بڑ کا مضمون تھا اس پر ہوش میں آنے کی پہلی بات کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ اور پھر لڑکی کی کیفیت جو ان دنوں میں رہی وہ بھی توجہ کی مستحق ہے۔ اب آپ سمجھے؟ آپ اس معاملے میں کیا کہتے ہیں؟

مجبوب۔ کیا آپ کا مدعا یہ ہے۔ کہ اور چند دنوں میں آپ سب وطن چلے گئے تو وہاں لڑکی اور یہاں لڑکا ـــــ

گریو۔ دل شکستہ رہیں گے۔

مجبوب۔ میں آپ سے صاف صاف کہے دیتا ہوں۔ یہ معاملہ نہایت سنگین ہے۔ پہلا لفظ آپ کی زبان سے نکلنا چاہیے۔

گریو۔ میں آپ کی ایشیائی نازک خیالی کا لوہا مان گیا۔ میں بھی آپ سے خلوص کی بات کہتا ہوں۔ اگر ان کا جذبہ صادق ہے تو مجھے حبیب میں وہ سب اوصاف نظر آتے ہیں جو ایک لڑکی کا باپ اپنے ہونے والے داماد میں ڈھونڈ سکتا ہے۔

(مجبوب ایک منٹ کے تامل کے بعد اپنا

ہاتھ مسٹر گریو کی طرف بڑھاتا ہے جسے وہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے)

محبوب۔ جذبات کی صداقت اور خلوص کا امتحان میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

گریو۔ اب یہ فرمائیے پریم کا آپ سے کیا تعلق ہے۔

محبوب۔ پریم کا باپ میرا بڑا پیارا دوست تھا۔ وہ مرتے وقت اپنی بیوی اور دونوں بچوں کو میری سرپرستی میں چھوڑ گیا۔ لڑکی رادھا کی شادی سوائے مذہبی رسوم کے میں نے کی۔ یہ دونوں بچے میری اطاعت اور محبت میں حبیب سے ہرگز کم نہیں۔ آپ نے دیکھا ہی ہے کہ رادھا نے شوہر کے ساتھ میں نے کیا مراسم ادا کیے۔ مگر آپ کا یہ سوال کچھ اور معنی رکھتا ہے۔

گریو۔ آپ کا قیاس صحیح ہے۔ میں پریم اور کیٹی کی آنکھوں میں خاص جذبات کی جھلک پاتا ہوں۔

محبوب۔ اسے میرا اقبال جانیے کہ اس حادثہ نے میرے آدھے حواس گم کر دئے میں اور پھر

میری ذہنیت کی مشرقی سرشت اس اداشناسی کی رمز کے ادراک کی مانع ہے۔ مگر پھر یہ دونوں بچّے مجھ سے چھن جائیں گے۔

گریو۔ میں نے ان معاملوں کو آخر تک سوچ لیا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اگر یہ بات یوں ہی ہونی ہے تو چاروں بچّے چھ مہینے امریکہ میں میرے پاس اور چھ مہینے یہاں آپ کے پاس رہا کریں گے۔ فرمائیے آپ کی کیا رائے ہے؟

محبوب۔ پورا اتفاق۔ واقعی آپ کی صائب رائے کی داد دینی چاہیے۔

گریو۔ آپ مجھے خود بین بنانا چاہتے ہیں۔ مگر پریم کی ماں کو تو ہم بھول ہی گئے۔

محبوب۔ اس کی فکر نہ کیجیے۔ بھابی کو میں سمجھا لوں گا۔

گریو۔ تو یہ طے پا گیا کہ کامل صحت کے بعد حبیب اور پریم میرے ساتھ جائیں گے۔

محبوب۔ اور یہ بہت اچھا ہوگا کیونکہ یہ

دونوں لڑکے ساری عمر ساتھ ہی رہے ہیں۔

۷

میری۔ اس دیسی جرّاح نے تو اعجاز کر دکھایا۔ اب تو کمر میں کسک باقی نہیں۔
حبیب۔ کمر میں تو اب کسک نہیں رہی مگر۔
میری۔ ہاں۔ اور۔ اور کیا کہنے کو تھے؟
حبیب۔ اگر تم ناراض نہ ہو تو کہوں۔
میری۔ بیدھڑک کہو جو کہنا چاہتے ہو۔
حبیب۔ وہ یہ بات ہے کہ کمر کی کسک تو چلی گئی لیکن دل میں ایک کسک نئی پیدا ہو گئی ہے۔
میری۔ (مسکرا کر) وہ جراح اس کے لیے بھی کوئی دوا دے دیگا۔ فکر کی بات ہی کیا ہے۔
حبیب۔ یہ ستم ظریفی۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جوں جوں تمھارے امریکہ جانے کے دن قریب آتے جاتے ہیں میرا دل پریشان ہوتا جاتا ہے اور سامنے اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔
میری۔ اور جو میں یہ کہوں کہ میری بھی

یہی حالت ہے۔

حبیب۔ بس پیاری۔ آگے نہ کہو۔ مجھے آج اس دنیا میں جنت مل گئی یہ جان کر کہ میری جگہ تمھارے دل میں ہے۔ میری زندگی کے سہارے کو یہ کافی ہے۔

مئیری! آہ پریم کی ماں سچ کہتی تھی کہ اس دن کا سفر کرنا نحس نکلے گا۔ نم نکلیں۔ آسمان کی برکت مل گئی۔ لیکن مستقبل بھیانک نظر آ رہا ہے۔

مئیری۔ وہ کیوں؟

حبیب۔ تم اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہو۔ میں نہیں امید کرتا کہ تمھاری ماں کا غم انھیں بھولا ہو۔ یہی حال میرے باپ کا ہے۔ نہ معلوم ہماری آئندہ زندگی کے متعلق کیا کیا منصوبے ہمارے بزرگوں کے دلوں میں ہیں۔ اور ہم دونوں کے باپ گویا ہمارے پُجاری ہیں۔ تم امریکن میں ہندوستانی۔ جانے تمھارا باپ لکھ پتی ہو کروڑ پتی ہو۔ میرا باپ معمولی آدمی ہے اور میں زندگی کی کشمکش میں صرف داخل ہونے کو ہوں۔ یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔

مئیری۔ حبیب پیارے۔ مجھے بتاؤ کیا کروں؟

نہ میں تمھیں دل سے نکال سکتی ہوں نہ پاپا کا دل دُکھا سکتی ہوں۔

حبیب۔ میں کئی دن سے اِسی سوچ میں ہوں۔

مُیری۔ پھر کیا سوچا؟

حبیب۔ کہوں تو تمھیں رنج ہوگا۔

مُیری۔ کہو! کہو! جو ہونا ہے ایک ہی دفعہ ہو جائے۔

حبیب۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ بُھلا دو۔ تم مجھے بھلا دو۔

مس گریو۔ تم بھول جاؤ کہ ہم کبھی ملے بھی تھے۔

مُیری۔ ناممکن۔ ان ہونی بات۔ (حبیب کی چھاتی پر منہ رکھ کر رُونے لگتی ہے)

حبیب۔ مس گریو! مُیری پیاری! اس طرح ہم فرزندانہ عقیدت مندی کی تیاری نہیں کر سکتے! پیاری! تجھے میری مردانہ عزت کا بھی خیال نہیں۔ دیکھ کہ

میں نے اپنے دل پر کس قدر جبر کر کے یہ پکا ارادہ کرلیا ہے کہ تیرے عاشق اور شفیق باپ کو میری وجہ سے کوئی رنج نہیں پہنچے گا۔ دیکھ (بھرائی ہوئی آواز سے۔ میری کے آنسو پونچھتے ہوئے) یہ معلوم کر کے بھی کہ میں تیرے دل میں ہوں میرے چہرے کا کیا حال ہے۔ شاید اس وقت اس پر زیادہ روحانیت ہوگی جب تو نے مجھے اس گاڑی بھر کے بوجھ کے نیچے سے ادھ موا نکالا تھا۔ پیاری۔ انسان کی عزت اور نیک اخلاق ہی وہ چیز ہے جس کے بل پر یہ دنیا قایم ہے۔ ورنہ خدا کو اس سے ذرا بھی غرض نہیں کہ انسان زندہ اور خوش رہیں یا سب کے سب فنا ہو جائیں۔

میری۔ یہ تم کس دل سے کہہ رہے ہو؟

جلیب۔ (اپنا گلا ملتے ہوئے جیسے کسی چڑھتی ہوئی چیز کو نیچے اتارتا ہے) جس دل میں تیری صورت ہمیشہ منقوش رہے گی۔

میری۔ تم عجیب و غریب آدمی ہو۔

جلیب۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

مجھ پر دوہری ذمہ داری ہے۔ فرض بھی کوئی چیز ہے۔ تم مجھ کو سخت کمینہ اور خودغرض سمجھنا اگر میرا عمل اس کے خلاف ہو۔ مگر مجھے کمزوری معلوم ہوتی ہے وہ طاقت کی دوا لاؤ گی۔

میری۔ (گھبرا کر)۔ ابھی۔ ابھی لاتی ہوں۔

(میری دوڑی جاتی ہے اور ایک الماری اس گھبراہٹ میں کھولتی ہے کہ اس میں رکھی ہوئی سب شیشیاں اور بوتلیں لڑکھڑا جاتی ہیں کانپتے ہوئے ہاتھ سے دیسی جراح کے مالش کے تیل کی شیشی اُٹھا کر چل پڑنے کو ہوتی ہے کہ مسٹر گریو اور مسٹر محبوب باہم اس قسم کی کانا پُوسی کرتے داخل ہوتے ہیں) "اس سین نے اب کسی امتحان کی ضرورت باقی نہیں رکھی"

گریو۔ (قریب آ کر) میری یہ کیوں دوا کی الماری میں بھونچال لا رہی ہو؟

میری۔ (جیسے چونک کر) حبیب کو کمزوری معلوم ہو رہی ہے۔ طاقت کی دوا لے جاتی ہوں۔

گریو۔ (قریب آ کر) ہونھ! دیکھ تو اس

چِٹ پر کیا لکھا ہے! "قاتل زہر" یہ تو اسے پلانے لے چلی ہے جو تیری جان بچانے ہیں مرتے مرتے بچا!

(وہ شیشی میری کے ہاتھ سے چھوٹ پڑتی ہے اور وہ باپ کے گھٹنے پکڑ کر بیٹھ یا گر جاتی ہے۔ محبوب آگے بڑھ کر اُسے اُٹھا لیتا ہے)

گریو۔ اس کی اور تیری دوا ہم لا رہے ہیں (حبیب کو ضعیفوں کی کرسی سے اُٹھتا دیکھ کر) حبیب پیارے وہیں بیٹھے رہو۔

(سب حبیب کے پاس آجاتے ہیں۔ میری کو محبوب اور حبیب کو گریو اپنے پاس لے کر ایک صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ دونوں نوجوانوں کی آنکھیں شرمائی ہوئی اور گردنیں جھکی ہوئی ہیں)

گریو۔ حبیب پیارے۔ تمھارے والد نے اور میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم اور میری چھ مہینے امریکہ میں میرے پاس رہا کروگے اور چھ مہینے ہندوستان میں بھائی محبوب کے پاس۔ اب تم لوگ بتاؤ کیا یہ انتظام ٹھیک ہے۔

(منیری جو نئی دلہن کی طرح سر جھکائے بیٹھی
تھی لپک کر آتی ہے اور باپ کی گردن میں باہیں ڈال کر
اس کے ہونٹوں پر بوسہ دیتی ہے۔ حبیب باپ کے پاس آکر
کھڑا ہو جاتا ہے۔ محبوب اسے برابر بٹھا کر ایک ہاتھ اُس کے
شانہ پر رکھتا ہے اور دوسرا ہاتھ اُس کے سر پر پھیرتا ہے)
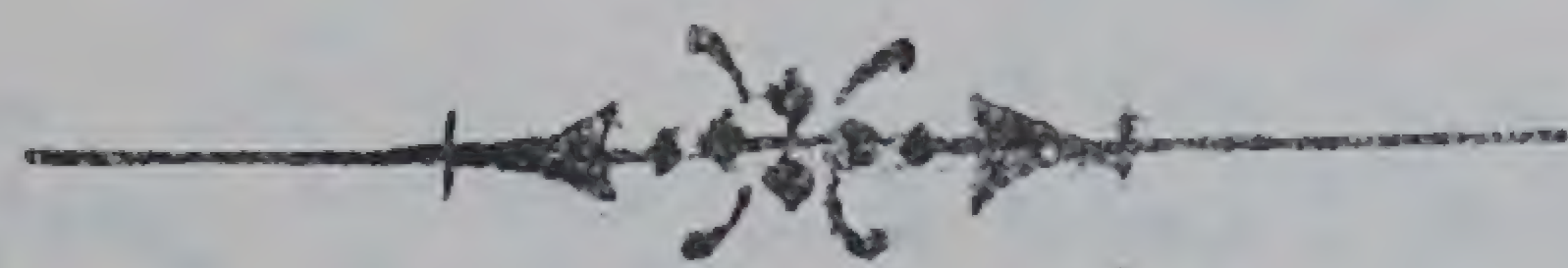
بملا

۱

ہری پد بابو۔ (کھڑے ہوکر ہاتھ باندھے ہوئے) بڑی کرپا کی جو آج آپ نے درشن دیے۔ سب خیریت ہے؟

لکشمی پت بابو۔ کالی مائی کی دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ گھٹک کو بھیجوں تو وہ گول مول نہ کر دے اس لیے میں آپ ہی چلا آیا۔ کہنا یہ ہے کہ لڑکا اب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل پاس کر چکا ہے۔

ہری۔ مبارک ہو! بڑی خوشی کی خبر سنائی۔

لکشمی۔ خوشی تو جب ہوگی کہ آپ بھی آگے بڑھیں۔

ہری - آپ ہی کے کہنے پر میں نے لڑکی کو کالج نہیں بھیجا۔ نہیں تو وہ اس وقت تک بی۔ اے پاس کر چکی ہوتی۔ آپ کہیں تو اب بھی اُسے کالج بھیج دوں۔

لکشمی - آپ میری بات اُلٹی سمجھے۔ لڑکی کی تعلیم کافی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اب پانچ ہزار کو دوگنا کرنے کا وقت ہے۔

ہری - (حیرانی بلکہ پریشانی سے) دس ہزار!

لکشمی - جی ہاں۔ دس ہزار نقد۔ کا جہیز ہوگا تو شادی ہوگی۔ میں جانتا ہوں روپیہ کا معاملہ ہے آٹھ دس دن میں آپ انتظام کر لیں۔ میں اسی وقت جواب نہیں مانگتا۔ آج سے گیارہویں دن گھنٹک کو بھیجوں گا۔ روپیہ کا انتظام کر کے اُس کے ہاتھ شگون بھیج دیجیے گا۔

ہری - جناب۔ شگون تو جا چکا ہے۔ اب دُوسرا شگون کیسا؟

لکشمی - وہ شگون بی۔ اے کا تھا۔ اب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل کا شگون درکار ہے۔ سمجھے آپ!

ہری - (سوچ کر) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میری پنشن

کُل ڈیڑھ سو روپیہ ہے اور اس لڑکی کے بھائی ابھی پڑھ رہے ہیں۔

لکشمی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ روپیہ یکمشت لے کر پنشن ختم بھی کرائی جاتی ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کرایہ کے مکان میں نہیں رہتے۔ مگر یہ باتیں یاد دلانا میرا کام نہیں۔ آپ ہی سوچیے میں اب پرنام کرتا ہوں۔

بملا بھائیوں کا لنچ لے کر اُن کے اسکول اور اور کالج جانے کے لیے چلی تھی۔ وہ ڈیوڑھی کا دروازہ کھولنے کو تھی کہ اُسے اجنبی آواز سُنائی دی اور شادی بیاہ کے لفظ اُس کے کانوں میں پڑے، وہ رُک گئی اور دروازے کی درار میں سے سب باتیں جو اُس کے باپ اور لکشمی بابو میں ہوئیں سُنتی رہی۔ لکشمی کے چلے جانے کے بعد وہ اُلٹے پاؤں اپنے کمرے میں آکر سوچنے لگی۔ وہ اپنے باپ کی مالی حالت جانتی تھی کہ اتنے میں ہری بابو اندر آئے اور بیوی کو سب کہہ سُنایا۔ اُن کی گفتگو کا خلاصہ

یہ ہے کہ مکان کی قیمت کا اندازہ کیا گیا اُس میں وہ روپیہ جوڑا جو بملا کے جہیز یا لڑکی کا باپ بننے کے جرمانہ کے لیے جوڑا گیا تھا۔ دس ہزار میں پھر بھی بہت کمی رہی ۔ بملا کی ماں نے اپنا ٹوم چھلّا جو کچھ تھا نکال کر خاوند کے سامنے رکھ دیا۔ اُس کی مالیت بھی بہت نہ تھی ۔ اندازہ ہوا کہ دو ہزار کی کمی رہتی ہے ۔ اس کا پرد نوٹ لکشمی بابو کو لکھ دینا قرار پایا۔ بملاؔ اور اُس کی ماں کے کمرے کے بیچ ایک کھڑکی تھی جس پر صرف جھرجھرا پردہ پڑا رہتا تھا۔ بملاؔ نے یہ سب گفتگو اور قرار داد سنی جب اُس کے کانوں تک یہ لفظ پہنچے۔

"کیا کیا جائے، لڑکی جوان ہوگئی ۔ مگر یہ باتیں اُس کے کان تک نہ پہنچیں ۔ وہ ہے کہاں ؟"

تو وہ اپنے کمرے کے دور کے کونے میں چلی گئی اور ایک اخبار جو وہاں پڑا تھا اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ ماں نے باہر سے جھانکا اور بملاؔ کو لنچ لے جانا یاد دلایا، بملاؔ وہ اخبار اور ٹفن کیرِیَر لے کر اُٹھی اور

باہر چلی گئی۔ بھائیوں کو لنچ دے کر وہ قریب کے
کالی مندر میں گئی اور وہاں بیٹھ کر اخبار کے
ایک کالم کو غور سے پڑھنے لگی اُس میں ایک ضرورت
کا اشتہار تھا:۔

"ضرورت ہے ایک ہندو لیڈی کی جو
ایک معزز ہندو خاندان میں بطور لیڈی سکریٹری
کے کام کرے گی تنخواہ معقول، مکان، خوراک
اور پوشاک علاوہ۔ انگریزی کی واقفیت لازمی
درخواست کرنے والے نیچے کے پتہ پر اصالتاً
ملاقات کریں"

بملا سمجھ دار لڑکی تھی اُس کی رائے میں اصابت
اور سُرعت کا وصف تھا۔ اُس نے فوراً ہی فیصلہ
کرلیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ قریب ہی ڈاک خانہ
تھا وہاں سے اُس نے ٹیلیفون پر پوچھا، جواب
آیا کہ جگہ ابھی خالی ہے۔ بملا ٹرام میں بیٹھ کر
سیدھی اُسی پتہ پر روانہ ہوگئی۔

۲

لیلا۔ تم اپنا پتہ نشان کچھ نہیں بتاتیں۔ نہ کسی سوال کا جواب دیتی ہو۔ پھر یہ کیسے ہوگا؟

بملا۔ آپ ایک لیڈی سکریٹری رکھنا چاہتی ہیں۔ اس عہدے کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوسکتی ہے اُن کی جانچ کرلیجیے کہ مجھ میں موجود ہیں یا نہیں۔

لیلا۔ انگریزی تم بہت نفیس بولتی ہو۔ تحریر بھی اچھی ہوگی۔ سلیقہ والی معلوم ہوتی ہو۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ تم چاہتی ہو کہ تمھیں آسمان کا ٹوٹا ہوا ستارہ سمجھ لیں اور تمھاری نسبت کچھ نہ پوچھیں۔

بملا۔ مجھے افسوس ہے کہ صورت کچھ ایسی ہی ہے۔

لیلا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی عورت کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتی جو اپنی نسبت کچھ نہ بتا سکے۔ اچھا تنخواہ کیا لوگی؟

بملا۔ جو آپ دینا چاہیں۔ یہ آپ کی مرضی پر ہے۔

لیلا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ تم اُس کمرے میں

ٹھہرو، میرے بھائی تھوڑی دیر میں آتے ہوں گے
ان سے دریافت کر کے بتاؤں گی۔

سیوک رام - پھر ہمیں اس سے کیا کہ اُس کا باپ کون تھا
اور ماں کس گھر کی لڑکی ہے۔ انگریزی کہنی ہو خوب
جانتی ہے۔ انگریزی اسکول کی پڑھی معلوم ہوتی
ہے۔ یہی تو تم نے کہا۔ تنخواہ پر وہ جھگڑتی نہیں۔
لیلا! میرے خیال میں یہ لڑکی بڑی شریف ہے۔ اگر
وہ یوں ہی کوئی نام لے دیتی تو کیا سارے بنگال میں
تلاش کرتیں کہ اُس کا باپ کون اور کہاں ہے۔ وہ
جھوٹ بولنا نہیں چاہتی اس لیے اُس نے صاف
انکار کر دیا۔ لیلا! اُس کو رکھ لو۔ دیکھا نہیں اب تک
جتنی آئیں سب نے اپنے تئیں سر آشوتوش اور رلیش
بہاری گھوش کے موسیرے اور چچیرے بھائی کی بیٹی بھتیجی
ہی بتایا۔ وہ سب جھوٹ بول گئیں۔ کیا تم نے اُسے
واپس کر دیا؟

لیلا - تمہارے انتظار میں وہاں اُس کمرے میں ٹھہرا رکھا ہے۔

سیوک۔ میں اُسے دیکھتا ہوں۔

بملا۔ سب سے پہلے نہایت ادب سے یہ گزارش ہے کہ
میری اور میرے خاندان کی نسبت کوئی سوال نہ کیا
جائے۔ اُنھیں تو مایوسی ہوئی تھی۔ مجھے خوف ہے
(مُسکراکر) آپ کو جواب نہ پاکر غصّہ نہ آجائے
کیونکہ آپ مرد ہیں۔

سیوک۔ وہ تو میری بہن کا پھوہڑپن تھا جو اُس بات پر
اُلجھیں۔ اب آپ سے ویسا سوال نہیں ہوگا لیکن
جن کے ساتھ آپ کو رہنا ہے اُن کی نسبت معلوم
ہونا چاہیے۔ میری بہن اور میں دُنیا میں اکیلے
ہیں اور خود مختار۔ اُس کی یہ حالت مجبوری سے
ہوئی۔ ہم پنجاب کے معمولی زمیندار ہیں۔ آج رات کو
ہم الہ آباد جا رہے ہیں وہاں سے لیلا اور کئی جگہ
جائے گی مگر میں پنجاب چلا جاؤں گا اور سارا بوجھ
آپ پر آپڑے گا۔

بملا۔ یہ پروگرام مناسب ہے۔ بتائیے مجھے کیا کیا کام

کرنا ہوگا؟

سیوک۔ بس لیلا کے ساتھ رہنا۔ وہ معمولی ملازموں ہی کو بہت کم حکم دیا کرتی ہے۔ آپ کی حیثیت تو اُس کی سہیلی کی ہوگی۔ اب پہلے ہم کھانا کھائیں گے پھر لیلا آپ سے دو چار چٹھیاں لکھوائے گی، پھر کلکتہ کی کچھ چیزیں خریدنے کے لیے ہم بازار جائیں گے۔ چلیے کھانا میز پر ہے۔

لیلا۔ وہ چٹھیاں لکھ لیں؟

بملا۔ جی ہاں۔ دیکھ کر دستخط فرما دیجیے۔

لیلا۔ آپ کا خط کتنا پیارا ہے اور انگریزی کیسی ستھری۔ بھائی (سیوک آتا ہے) تمھیں اپنی انگریزی کا بڑا گھمنڈ ہے۔ دیکھو انگریزی اسے کہتے ہیں۔

سیوک نے سب چٹھیوں پر نظر ڈالی دو لفافے اجنبی ناموں کے تھے اگرچہ اُس نے اپنی جبلّی خوش خلقی سے بملا کی نسبت پوچھ گچھ کا سلسلہ بند کر دیا تھا لیکن اُسے ٹوہ ضرور تھی۔ بہن سے بولا:۔

سیوک۔ ہمیں کیوں نہ یہ چھٹیاں پوسٹ کر دیں۔ باہر تو جا ہی رہے ہیں (بملا سے) آپ یہیں رہیں۔

بملا نے بے خیالی میں وہ تمام خط جن میں دو اس کے بھی تھے سیوک رام کو دے دیے۔ وہ اور لیلا چلے گئے۔ یہ واقعات کلکتہ کے ایک بڑے ہوٹل میں ہوئے۔ ہال میں لیٹر بکس تھا۔ سیوک نے دو کے سوا سب چھٹیاں اس میں ڈال دیں۔ لیلا بولی "یہ دو خط کیوں رکھ لیے ہیں۔ انھیں بھی ڈال دو۔" اس نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور ایک ٹیکسی منگا کر شوفر کو حکم دیا "جنرل پوسٹ آفس"۔ ٹیکسی کے پہیئے گھومتے ہی سیوک نے اُن دونوں خطوں سے ایک کو نکالا۔ وہ بند نہیں کیا گیا تھا۔ چونکہ کئی خطوں پر لیلا کے دستخط کرانے تھے اُن کے دھوکے میں بملا اپنے خط بھی بند کرنے بھول گئی۔ سیوک نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس لفافے میں سے خط کا کاغذ نکالا۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

"ایشور سمان پتا جی۔

مجھے پورے طور پر معلوم ہو گیا کہ میری وجہ سے

سارے خاندان پر تباہی آنے والی ہے اور یہ مجھے منظور نہیں۔ اس لیے میں اپنے تئیں گم کرتی ہوں۔ ماتا جی کو اور آپ کو جو صدمہ میرے اس طرح چلے جانے سے ہوگا اُس کا مجھے سخت قلق ہے۔ میں آپ سوسائٹی کے ظلم کا شکار ہیں۔ سینہہ لتا کا نام پوجتے ہوئے میں آتم گھات کو بُرا سمجھتی ہوں۔ پرمیشور مجھے نیک ہاتھوں میں ڈالے گا کیونکہ میرا ارادہ نیک ہے۔ جب موقع آئے گا میں آپ کو لکھوں گی۔ ماتا جی کو ڈھارس دیجیے اور بھائیوں کو کچھ کہہ کر پُھسلا لیجیے گا۔

آپ کی بدقسمت۔ بملا۔"

بہن نے کئی دفعہ پوچھا کہ کیا ہے۔ کس کا خط ہے؟ مگر بھائی کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ کبھی منہ فق ہو جاتا اور کبھی لال انگارا۔ جیسا سخت غصے میں ہوتا ہے اُس نے وہ خط بہن کو دے دیا پھر دوسرا خط ہاتھ میں لے کر سوچتا رہا۔ آخر اُسے پڑھے بغیر ہی بند کر دیا۔ لیلا نے خط ختم کر کے ایک آہ بھری اور بولی۔

لیلا۔ میں کہتی ہوں عورت ذات پر اس قسم کے ظلم کب تک ہوتے رہیں گے؟

سیوک۔ میں کہتا ہوں اتنے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بنگالیوں کو یہ کیا پھٹکار ہے!

لیلا۔ اور لڑکا جو تعلیم پا چکا ہے چپ چاپ تماشا دیکھ رہا ہے۔ اب کھلا کہ وہ گمنام رہنا کیوں چاہتی تھی۔ ہائے! ہمارے پاس نہ پہنچتی تو نہ جانے بیچاری کا کیا ہوتا۔ بھائی وہ ہماری۔ کسی کی نوکر نہیں میری بھتیجی ہے۔ اس کا لحاظ رہے۔

سیوک۔ خیر یہ اچھا ہوا۔ اس میں چوری کہاں کی آئی۔ میں پہلے ہی بھانپ گیا تھا اس لیے یہ خط ہوٹل کے ڈاک خانے میں نہیں ڈالے کہ روانگی کی جگہ کا پتہ نہ چلے۔ یہ دیکھو دوسرا خط۔ یہ لیڈی ہمارے کشنا بابو کی بہن یا بھتیجی معلوم ہوتی ہے۔

لیلا۔ سب سے پہلے اُس کے لیے کپڑے خریدوں گی قریب قریب میرے ہی تو قد اور بدن کی ہے۔

سیوک۔ ایک انگریزی سفری جوڑا بھی خریدنا۔ کیونکہ وہ

کلکتہ سے چپ چاپ نکل جانا چاہتی ہے اور میں
کشنا بابو کو جاکر جس طرح بن پڑے روکتا ہوں کہ
ہم کو اسٹیشن پر رخصت کرنے نہ آئیں۔

سیوک ۔ یہ حلیہ ہے۔ اُس کی ساڑھی کا حاشیہ کالا یا نیلا
تو نہیں تھا؟

کشنا ۔ ہاں، ہاں، ایسا ہی تھا دور سے کالا معلوم ہوتا ہوگا۔
تم نے اُسے دیکھا کہاں؟
سیوک نے سگریٹ سُلگایا اور اُس کے دھوئیں کی
طرف دیکھ کر سوچنے لگا۔ یا کم سے کم ایسا ظاہر کیا۔

کشنا ۔ کیا واہیات ہے۔ بھئی بات کا جواب دو۔

سیوک ۔ میں سوچ رہا تھا کہ اُسے کہاں دیکھا۔ ہاں ٹھیک۔
بوٹینیکل گارڈن میں۔ وہ ایک فیملی کے ساتھ تھی۔

کشنا ۔ اُن میں سے کسی کا حلیہ بتا سکتے ہو۔

سیوک ۔ (سنجیدگی سے) میں تمہاری خفیہ پولیس کا آنریری
افسر تو ہوں نہیں۔ وہ ایک بارہ برس کی لڑکی کی
اُنگلی پکڑے تھی اور اُسے کچھ بتاتی جاتی تھی۔ غالباً

اُس کی گورنس ہوگی۔ ایک جگہ اُن لوگوں نے چائے پی اور اُسے بھی باصرار پلائی۔ یہ لوگ بہت معزز معلوم ہوتے تھے۔ اگر وہ لڑکی یہی تھی جس کی تلاش ہے تو اطمینان رکھیے کہ وہ بہت اچھے ہاتھوں میں ہے۔

کشنا۔ تھینک یُو۔ سیوک۔ میں ابھی بوٹینکل گارڈن جا رہا ہوں۔ تمھاری ہمشیرہ اور تم سے معافی چاہتا ہوں کہ میں شام کو ہوڑہ اسٹیشن پر تم لوگوں کو رخصت کرنے کو نہ آسکوں گا۔

سیوک۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ اور دو مہینے میں تو تم پنجاب آؤ ہی گے، کشمیر کا پروگرام یاد ہے نا۔

۳

بملا۔ آخر آپ کی بہن کب آئیں گی؟

سیوک۔ کل ہی آجائیں یا پندرہ دن میں۔

بملا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کس کی خدمت کے لیے یہاں ہوں۔ آپ کی بہن کوئی کام ہی نہیں لیتیں۔

سیوک۔ آپ کسی کی خدمت کے لیے نہیں ہیں۔

بملا۔ یعنی میں اس وقت سے اپنے تئیں آزاد سمجھوں

شاید آپ کو معلوم ہو کہ قیدی جب اپنی قید بھگت
چکتا ہے تو گورنمنٹ اُسے اُس کے گھر کے قریب تک
پہنچا دیتی ہے۔ اور آپ ان پہاڑوں میں مجھے آزاد کر رہے ہیں۔
سیوک (گہری خاموشی کے بعد) بملا جی آپ میرا مطلب اُلٹا سمجھیں۔
بملا۔ تو مہربانی سے آپ اپنے لفظوں کا سیدھا مطلب سمجھانے کی تکلیف گوارا کیجیے۔
سیوک۔ کیا عرض کیا جائے۔
بملا۔ عرض کرنے کا منصب میرا ہے۔ آپ حکم دیجیے کہ
یہ سارا سامان کس کے سپرد کروں۔
سیوک۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمارا ملنا ایسی صورتوں
میں ہوا ہے کہ شرافت زبان کھولنے کی اجازت
نہیں دیتی۔
بملا۔ بہت معمولی صورتوں میں ہمارا ملنا ہوا۔ ایک اشتہار
کے جواب میں مَیں حاضر ہوئی۔ مجھے نوکر رکھ لیا گیا۔
خیر، مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ کس تاریخ سے میری
خدمات کی ضرورت نہیں۔
سیوک۔ آپ ملازمت اور خدمات کا نام بار بار لیتی ہیں
مجھ کو اس کا خیال تک نہیں۔

بملا۔ پھر آخر آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟
سیوک۔ آپ سمجھیں گی کہ میں اپنی پوزیشن کا ناواجب فائدہ اُٹھانا چاہتا ہوں اگر میں یہ کہوں کہ۔۔۔۔۔۔
بملا۔ ہاں، ہاں، فرمائیے، میں آپ کو پورا جنٹلمین سمجھتی ہوں۔
سیوک۔ کہ۔ کہ۔ میری بہن کی دلی تمنّا ہے کہ آپ ان کی بھاوج بنتیں!
بملا۔ میں جانتی ہوں کہ مفلسی عیب نہیں۔ مسٹر رام اس بات میں ضرور میں اپنی ہتک سمجھتی اگر میرے ساتھ آپ کا سلوک ایسا شریفانہ اور ہمدردی کا نہ رہا ہوتا۔ لیکن مجھے یہ سُن کر ہنسی آتی ہے کہ آپ کو میری نسبت کچھ بھی معلوم نہیں اور پھر آپ کی بہن کی یہ خواہش ہے۔ جناب نہ تو میں فنِ ظرافت ہی کی ماہر ہوں اور نہ مجھے وہ پسند ہے۔
سیوک۔ بملا! تم یقین جانو کہ میں تم کو اپنے سے بہت اعلیٰ سمجھتا ہوں، جبھی یہ بات میری زبان پر آئی،

ہم دونوں ہندوستانی ہیں۔ اپنے دلی خیالات کا اظہار ہماری زبانوں سے نہیں ہو سکتا۔ تم نہیں جانتیں کہ تمھارے انکار کا کیا نتیجہ ہو گا۔

بملا۔ کیا ہو گا؟ کیا ہو گا؟ مجھے صرف آپ کی بہن کا انتظار ہے۔

سیوک۔ تم کو اپنی طاقت کا غلط اندازہ ہے۔ کیا اٹھیں آب دیدہ چھوڑ کر تمھارا قدم اُٹھ سکے گا، ہرگز نہیں۔ بملا! تم نہیں جانتیں کہ کس کس پہ ستم توڑ رہی ہو۔

بملا۔ (تیزی سے) کس پر؟ کیا ستم توڑا ہیں نے؟

سیوک۔ سب سے پہلے اپنے آپ پر۔ تمھاری پاکبازی اور معصومیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ تم کو اپنے دل کی خبر نہیں۔

بملا۔ (بات کاٹ کر) جی۔ آپ کو میرے دل کی خبر ہے۔ میرے دل دار ہیں نا۔ ہاں اور کس پر؟

سیوک۔ پھر میری بہن پر۔ جو میری شادی سے پہلے

دلہن بننے کو تیار نہیں۔ پھر اُس شخص پر جو اتنے عرصہ سے صبر کے ساتھ اُس کا انتظار کر رہا ہے۔

اور ــــــ

بملا۔ جی۔ اور چوتھے کون صاحب ہیں جو میرے مظلوم ہیں؟

سیوک۔ اُس کی زبان یاری نہیں دیتی کہ وہ اپنا نام لے سکے۔

یہ کہتے ہوئے سیوک دونوں ہاتھ اُٹھائے بملا کے قدموں پر گر گیا۔ بملا کے چہرے پر سُرخی دَوڑ گئی اُس کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے لہریں مارنے لگے۔ پلکوں نے اس انتہائی غمازی پر گھونگھٹ ڈالنا چاہا۔ اُس کے گرم گرم کپکپاتے ہاتھ بڑھے جن کے سہارے اُس کا شریف اور سچا سیوک اُس کے برابر صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

بملا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ پتا جی ہمارے اس رشتے کو کس نظر سے دیکھیں گے۔

بملا اور سیوک رام شالامار باغ میں اُس جگہ ہاتھ میں ہاتھ دیے کھڑے تھے جہاں مُور نے لالہ رُخ کی شادی رچائی ہے۔ جب بملا کی زبان سے وہ لفظ نکلے۔ اُن کے ختم ہوتے ہی پیچھے سے کسی نے بنگلہ زبان میں کہا:-

"کوئی ڈر نہیں۔ ہری بابو نے منظوری دے دی ہے!"

دونوں نے گردن موڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ لیلا اور کشنا بابو اُن کے پیچھے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ کشنا بابو نے آگے بڑھ کر کہا:-

کشنا۔ رسم پرستی کی ضرورت نہیں، یہ دو طرفہ مبارکباد کا موقع ہے۔ مجھے بملا سے یہ کہنا ہے کہ ہری بابو سب خاندان سمیت لاہور آ رہے ہیں وہ خود دونوں شادیاں کریں گے اور میں نے تار دے دیا ہے کہ روہنی کو بھی ساتھ لائیں۔ اُسے بملا کو دلہن بنی ہوئی دیکھنے کی بڑی

آرزو ہے۔

بملا۔ جھپٹ کر لیلا سے لپٹ گئی اور آہستہ آہستہ اُسے چٹکیاں لے کر کہنے لگی :-

"تم بڑی وہ ہو، یہ سب تمھاری اور کشنا بابو کی سازش ہے"

پاربتی دیوی
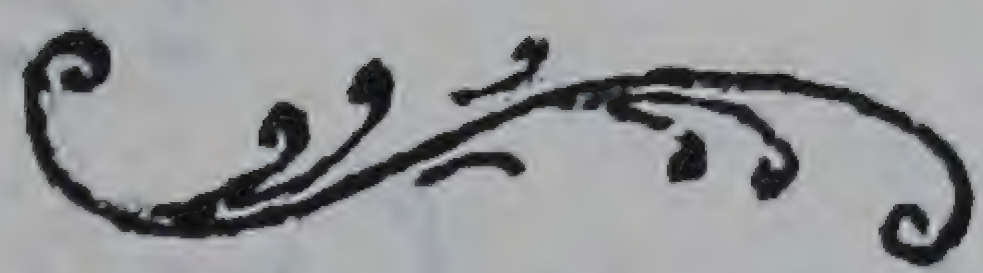
۱

ڈاکٹر سُندر لال۔ بی بی! تم پہاڑ میں اکیلی کیا کر رہی ہو۔ یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔
پاربتی نے چونک کر گردن موڑی اور دیکھا کہ ایک جوان خوبصورت آدمی شکاری کپڑے پہنے ہاتھ میں بندوق لیے سامنے کھڑا ہے۔ وہ چپ رہی۔ اُس اجنبی شخص نے پھر کہا۔
سُندر۔ ابھی کل ہی میں نے اسی جگہ ایک ریچھ مارا ہے۔ چیتا بھی اِس جگہ پڑتا ہے۔ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔ یہاں سے چلی جائیے۔

پاربتی۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جا سکتی! میرا ٹھکانا——

سُندر لال کو سخت حیرت ہی نہیں ہوئی جب اُس جوان اور نہایت حسین لیڈی کی زبان سے وہ کہے اور نہ کہے ہوئے لفظ سُنے۔ وہ لفظ ایسے اندوہگیں اور سامعہ سوز تھے کہ اُن کے ساتھ سرسری سلوک غیر ممکن تھا۔ سندر لال اپنی رائفل کا کندہ پتھر پر ٹکا کر نہایت غور سے اُسے دیکھنے لگا۔

سُندر۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اِس مقام پر بہت خطرہ ہے۔

پاربتی۔ اور میں اب صاف عرض کرتی ہوں کہ میں نہیں جانتی کہاں جاؤں!

سُندر۔ کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ اِس پہاڑ پر کیونکر پہنچیں۔

پاربتی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجھے وہ لوگ چھوڑ گئے ہیں جو دنیا میں عزیز اور نگہبان سمجھے جاتے ہیں۔ اِس سے آگے اپنی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتی۔ خطرے کا نام کئی بار لیا گیا ہے — میں زندگی سے —

سُندر ۔ (کئی منٹ کے تامّل کے بعد)
اطمینان رکھیے۔ اب کوئی سوال نہیں ہوگا۔ اور اجازت دیجیے کہ ایک تجویز پیش کروں۔ میں ریاست جموں کے سفری شفاخانہ کا ڈاکٹر ہوں۔ کل میرا کمپ اِس پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ پہنچتے ہی خبر ملی یہاں سے اوپر اُس گھر میں ایک آدمی زخمی پڑا ہے۔ جسے ریچھ نے بھنبوڑ ڈالا ہے۔ میں فوراً اُوپر آیا اور عین اس جگہ جہاں آپ بیٹھی ہیں ریچھ کو بیٹھا دیکھا جو اپنے پنجے چاٹ رہا تھا۔ اُس کو وہیں ڈھیر کر کے میں اوپر پہنچا۔ بیمار کی حالت بہت خراب تھی۔ رات کو مجھے وہیں رہنا پڑا۔ اب اُس کے بچنے کی اُمید ہوئی ہے۔ یہ کہانی اس لیے سُنائی کہ یہ پہاڑ بہت خطرناک ہے۔ میرا دورہ دو مہینے کا ہے۔ میرا گھر یہاں سے بہت دُور نہیں۔ وہاں صرف ایک بڑھیا نوکرانی ہے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میری واپسی تک آپ وہاں ٹھہریں۔ پھر جہاں آپ کہیں گی آپ کو پہنچا دیا جائیگا ٹھہرئیے۔ دنیا بہت بڑی ہے۔ اور پھر راہ چلتے کی بات کا اعتبار کیا۔ یقین جانیے اگر آپ کی جگہ ایک ساٹھ برس کا لڑکا ہوتا تو میں اُس کے لیے بھی یہی تجویز

کرتا۔ آپ کی خودداری اور آزادی کی کفالت میں اپنے ذمے لیتا ہوں :-

پاربتی نے تجسس کی ایک نظر ڈاکٹر پر ڈالی۔ اور چپ چاپ کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر اور وہ پہاڑ سے نیچے اترے ہی تھے کہ ایک لاری کشمیر کی طرف سے آتی دیکھی۔ ڈاکٹر نے اُسے رُوکا اور اپنے ملازم کو کیمپ سے بلا کر کہا۔ " ان کو گھر چھوڑ کر فوراً واپس آجاؤ۔" اسی وقت کمپونڈر نے آکر کہا۔ " وہ انگلیوں والا بیمار آگیا ہے جو کل پچھلے کیمپ میں آیا تھا۔" یہ سنتے ہی ڈاکٹر اُدھر چل دیا۔ اور ادھر لاری کے پہیوں نے اپنا چرخا شروع کیا۔

جس طرح کنجاہ پنجاب کے حسن آفریں قطعوں میں مشہور ہے۔ اسی طرح ریاسی صوبۂ جموں میں حسن و خوبی میں سرنام ہے۔ سُندر لال نہایت جمیل اور وجیہ تھا۔ اس کی عمر تو مشکل سے پچیس سال ہوگی مگر ابھی ایک سال سے کچھ زیادہ ہوا کہ وہ اس بستی دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اُس کا دل وقت سے پہلے ہی اُجڑ گیا تھا۔ ایک تو بیوی کا غم اور پھر اس کی سدا کی غیر حاضر طبیعت وہ اکثر بیٹھے بیٹھے اور بولتے چالتے

غائب ہو جایا کرتا۔ ویسے تو وہ صرف سب اسسٹنٹ سرجن تھا۔ مگر جو ڈاکٹری اُس نے پڑھی تھی وہ اپنے دماغ میں جذب کی ہوئی تھی۔ مریضوں سے جو وقت بچتا وہ انھیں کی تکلیفوں کے متعلق سوچ بچار اور مطالعہ میں صرف ہوتا۔ پھر جو اُس نے نوکر کو نہ خرچ کے لیے روپیے دیے نہ گھر کے کسی کمرے کی کنجی تو ذرا تعجب کی بات نہیں اور شاید یہ دونوں ضروری کام وہ کرگزرتا اگر کمپونڈر عین تنت پر نہ آگیا ہوتا۔

پاربتی جب ریاسی پہنچی تو دیکھا کہ ڈاکٹر کے گھر میں صرف ایک کوٹھری اور باورچی خانہ کھُلا ہے۔ باقی سارے کمرے مقفل۔ اور گھر میں صرف ایک بڑھیا نوکرانی۔ اُسے گھر میں چھوڑ کر نوکر جو ساتھ آیا تھا۔ باہر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں واپس آکر کہا "میں جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب سے کچھ کہنا ہے؟" پاربتی نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں" اور دو روپے اُسے واپسی کے کرایہ کو دیے۔ بڑھیا دیر تک پاربتی کو کن انکھیوں سے دیکھا کی۔ آخر بولی۔ "بی۔بی۔ یہاں تو سارا گھر بند پڑا ہے۔ تم کنجیاں کیوں نہ لیتی آئیں۔ کوئی کھٹیا بھی نہیں ہے۔" پاربتی نے کہا:۔ "کچھ جنتا نہیں۔ وہ تخت جو دالان میں پڑا ہے

بہت ہے۔" رات کو کھانے کے وقت بڑھیا نے دو مچنک اور کسر ڈر کا ساگ لاکر پاربتی کو دیا۔ ساگ تو وہ کیا کھاتی۔ ایک روٹی اُس نے نمک کے ساتھ کھالی۔ مگر پھر اسے بڑھیا کا ماحضر تناول فرمانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کیونکہ اگلے دن سویرے ہی بڑھیا کا داماد اسے اپنے ساتھ لے گیا جس کی بیوی بہت بیمار تھی۔

پاربتی کے پاس کچھ روپیہ اور ہیرے کی ایک انگوٹھی تھی۔ روپیے تو لاری اور ٹٹو کے کرایے میں ختم ہوگئے۔ اب اس کے پاس بس وہ انگوٹھی رہ گئی اور بدن کے کپڑے۔ بڑھیا اپنی کوٹھری میں تالا لگاکر ایسی گھبراہٹ میں گئی تھی کہ اس بیکس مہمان کا اُسے خیال تک نہ آیا۔ اُسے ایک فائدہ بڑھیا کی سراسیمگی نے ضرور پہنچایا وہ اپنی ایک لٹیا اندر بند کرنی بھول گئی۔ رسوئی بے شک کھلی تھی۔ جس میں مٹی کے دو تین گھڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کہاری اور حلال خوری روز سویرے آتیں اور اپنا کام کرکے چپ چاپ چلی جاتیں۔

پورے تین دن اِس بیکسی اور فاقہ کشی میں بیت گئے۔ بھوک بہت ستاتی تو پاربتی دو گھونٹ پانی پی لیتی اور رات کو

اس ننگے کھر درے تخت پر پڑ رہتی۔ چوتھے دن حلال خوری اپنا کام کر کے آنگن میں کھڑی ہو گئی۔ پاربتی سمجھی کچھ کہنا چاہتی ہے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا بی بی تین دن کی روٹی نہیں ملی۔ جواب ملا فکر نہ کر۔ سب دنوں کی اکٹھی مل جائیگی۔ بی مہترانی دیکھتی تھی۔ اتنے دنوں سے چولھا ٹھنڈا پڑا ہے یہ سوال اس نے صرف جانچنے کو کیا تھا۔ وہاں سے تو وہ چپکی چلی گئی۔ مگر پڑوس کے گھر جا کر جو اس کی ججمانی میں تھا اس نے سب کچھ کہہ سنایا اس کے بیان میں بدنما وہم اور قیاس کے ساتھ ہمدردی کا سوز بھی تھا۔ وہ گھر پنجابیوں کا تھا۔ اس کا مالک منصفی میں سررشتہ دار اور سندر لال کا دوست تھا مالکنی جس کا نام سرسوتی تھا۔ سندر لال کی بہن کی پیاری سہیلی تھی۔ مہترانی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ڈاکٹر کا نوکر سائینڈاکس اس بی بی کو چھوڑ گیا ہے۔ جو اس نے بڑھیا سے سنا تھا۔ آخر سرسوتی پاربتی کو دیکھنے آئے بغیر نہ رہ سکی۔

پاربتی ۔ اگر تم کسی سوال کا جواب نہ مانگو اور آگے کو میری نسبت کوئی بات نہ پوچھو۔ یہ بہت نرالی

درخواست ہے۔ تو میں تمھاری مہربانی سے فائدہ اُٹھا سکتی ہوں۔

سرسوتی۔ معاف کرو۔ اب میں کوئی بات نہ پوچھونگی۔ بتاؤ کیا سیوا بتاتی ہو؟

پاربتی نے وہ ہیرے کی انگوٹھی جو اس نے اپنی اُنگلی سے اُتار کر جیب میں رکھ لی تھی سرسوتی کو دے کر کہا۔ "اگر تم مجھے رحم اور ترس کے قابل سمجھتی ہو تو یہ میری انگوٹھی بکوا دو۔ مجھے یاد ہے یہ کہاں سے اور کتنے میں خریدی گئی تھی۔ لیکن بی بی جی۔ ضرورت کے وقت کسی چیز کے مناسب دام نہیں اُٹھا کرتے۔"

سرسوتی وہ انگوٹھی لے کر چلی گئی۔ اُس کے خاوند کو جواہرات کی آنکھ تھی اُس نے تین سو کی آنکی۔ شام کو سرسوتی ایک سو روپیہ اور ایک تھال کھانے کا لے کر آئی۔ وہ تڑپ اُٹھی یہ دیکھ کر کہ کس بیتابی اور ندیدہ پن سے وہ تھال صاف ہوا۔ پاربتی نے سرسوتی کی طرف ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا اور ہونٹوں تک آئی ہوئی آہ کو ضبط کر کے کہا:۔

"آپ نے بڑی کرپا کی۔ آپ کا احسان کبھی نہ بھولوں گی۔

جہاں اِتنی مہربانی کی ہے ایک تکلیف اور اُٹھائیے۔ کھانے اور پکانے کے دو چار برتن۔ تھوڑا تھوڑا رسد کا سامان۔ آٹھ دس گز کھدر۔ سوئی۔ تاگا اور قینچی۔ یہ چیزیں منگوا دیجیے معمولی سلائی کا کام میں کر سکتی ہوں۔ اس کا بھی انتظام ہو سکے۔ تو بہت اچھا۔ مگر کسی کو خبر نہ ہو کہ وہ کام کہاں ہوا۔

یہ کہہ کر پاربتی نے پچاس روپیہ گن کر بسر سوتی کو واپس کیے کہ وہ اپنے پاس امانت رکھ چھوڑے اور باقیوں میں سے پندرہ روپیے اس خرید کے لیے دیے۔

۲

اول روز کے واقعے کے دو نہیں ڈھائی مہینے بعد سندر لال شام کے قریب رہائسی واپس آیا۔ جب سے بیوی مری تھی وہ گھر کے اندر بہت کم جایا کرتا تھا۔ باہر مردانے میں جدا صحن اور دو کمرے تھے وہیں رہا کرتا تھا۔ آج آتے ہی اُس نے پہلے اپنے دورے کی رپورٹ ختم کی۔ اب شام ہو چکی تھی۔ نوکر کھانا لایا۔ تھال میں بہت سے کٹورے تھے اور سب کھانے نہایت لذیذ۔ مگر گم سُم سندر لال کو موہن بھوگ اور ساگ برابر تھے۔ اپنے فن اور مریضوں کے سوا کوئی بات

اُس کے ذہن میں کم جاگزیں ہو سکتی تھی۔ تھال اُٹھاتے اُٹھاتے دو کٹورے داسا سے فرش پر گرے۔ ان کی جھنکار گویا اُسے ہوش میں لائی اور اسے یاد پڑا کہ کھانے میں غیر معمولی اور نفیس چیزیں تھیں۔

سُندرلال۔ یہ کھانا تو بہت اچھا تھا کس نے بنایا؟ بڑھیا نے!

داسا۔ مہاراج! بی بی نے بنایا ہے۔

سُندر۔ بی بی! کیا کہتے ہو؟ کیا رکھمن بی بی آئی ہے!

داسا۔ رکھمن بی بی نہیں۔ مہاراج! وہ بی بی جو اُس دن کئی مہینے ہوئے آپ کے ساتھ پہاڑ سے اُتری تھی، اور جسے آپ نے میرے ساتھ یہاں بھیجا تھا۔

سُندر۔ کیا تم کو کنجیاں ہم نے نہیں دی تھیں؟

داسا۔ (شاکیانہ لہجے میں) کہاں دیں۔ لاری اور ٹٹو کا کرایہ بی بی نے دیا۔ دو روپے کرایہ کے لیے چلتے ہوئے مجھے اور دیے یہ برتن بھی ہمارے نہیں۔ دیکھیے

سب نئے ہیں۔

سُندر۔ بڑھیا کو بُلاؤ۔

داسا۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ جس دن بی بی یہاں پہنچی تھی اُس کے اگلے دن ہی وہ اپنی بیٹی کو دیکھنے چلی گئی تھی۔

سُندر لال نے سخت تاسف کے جذبہ میں اپنے ہونٹ کاٹے۔ میز پر کئی بار ہاتھ دے مارا۔ یہ لفظ بے ساختہ اُس کی زبان پر آئے۔ "واہ یہ بھی خاصی مہمانی ہوئی۔ گھر سارا بند۔ اناج کا دانہ تک ندارد، پیسے ٹکے کا ذکر ہی کیا۔ گھر میں آدمی نہ آدم زاد۔ اس سے تو لاکھ درجے اچھا تھا۔ اس بیچاری کو ریچھ کا کھاجا بننے کے لیے وہیں چھوڑ آتا۔"

داسا اس بڑبڑاہٹ کے وقت برتن لے کر چلا گیا تھا۔ سُندر لال نے اُسے بلا کر کنجیوں کا گچھا اور سو روپیے کے نوٹ دے کر کہا کہ بی بی کو روز کے خرچ کے لیے دے آئے۔ اس نے وہ چیزیں واپس لا کر کہا۔ "وہ کہتی ہیں روپیے ابھی ہیں۔ جب ضرورت ہوگی منگوا لیے جائیں گے اور کنجیوں کا رات کو کیا کرنا ہے۔"

ڈاکٹر اِدھر اُدھر کام کاج میں لگ گیا اور
سُندر اس نئے خلجان میں سراسیمگی کا شکار تھا کہ سرستوتی کا
شوہر آیا اس کے ہاتھ میں ٹین کی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی۔
اُس نے اپنی تقریر یوں ختم کی۔
بھائی ڈاکٹر۔ لوگ بھاگی ہوئی بیویوں کو گھر
میں لے آتے ہیں۔ اُدھال بھی رکھتے ہیں۔ مگر ایسا تو کوئی نہیں
کرتا جو سلوک تم نے کیا۔ گویا اتنے مہینے قید تنہائی کی سزا دی
گئی۔ ایسا بھی کیا ہے۔ کاکے کی ماں کہتی تھی وہ تو دیوی
ہے۔ دن بھر سلائی کا کام کیا کرتی ہے (ڈبیا ڈاکٹر کے
ہاتھ میں دے کر) یہ ہم نے اب تک امانت رکھ چھوڑی تھی۔
وہ تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر ڈاکٹر سُندر لال کی
سوئی ہوئی فطرت کو جگا گیا۔ اس کی عجیب ڈراؤنی کیفیت
تھی۔ کبھی کمرے میں زور زور سے ٹہلتا کبھی دونوں ہاتھوں میں
اپنا چہرہ قید کر کے بیٹھ جاتا۔ کبھی اپنے آپ بڑبڑاتا۔ کبھی
بت بنا چھت اور دیواروں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا۔
کبھی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیتا کبھی کھول دیتا۔
اس نے سب کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے مگر اضطراری

حالت میں داخلہ کے دروازے کا کھٹکا لگا نا رہ گیا۔اور اپنی بندوق اُٹھا کر کمرے کے کونے میں چلا گیا۔

پاربتی کھانے سے فارغ ہوکر اپنا سینا پرونا لے کر بیٹھی ہی تھی کہ باہر کے کمرے سے فیر کی آواز آئی۔سینا اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ وہ لپک کر سندر لال کے کمرے میں پہنچی جہاں سے فیر کی آواز آئی تھی کیا دیکھتی ہے کہ سندر لال دونوں پاؤں دیوار سے اڑائے فرش پر بیٹھا ہے۔ بندوق کا کندا دیوار کی جڑ میں چپکا ہوا ہے اور نالی کا مُنہ اُس کی چھاتی پر ہے۔ پاربتی نے جھپٹ کر ایک ہاتھ سے سندر لال کو چت کر دیا اور دوسرا ہاتھ بندوق کی نالی پر ڈال کر اُسے سندر لال کی چھاتی پر سے سرکایا۔ یہ اُس کو نہ سوجھا کہ اُس کے پاؤں کا ایک انگوٹھا رائفل کی لبلبی پر ٹکا ہوا تھا۔ اُن دونوں میں بندوق کے لیے خفیف کشمکش ہو رہی تھی کہ بندوق چل گئی جو پاربتی کو لگی اور وہ دھڑام سے چت گر پڑی۔

۳

گولی پاربتی کی ران میں بیٹھی تھی۔ہڈی بال بال

بچی۔ مگر خون بدن میں سے بہت نکل گیا۔ غشی کی مدد سے ڈاکٹر سندر لال کو کامل امتحان کا موقعہ ملا۔ اس نے پورا اطمینان کر لیا کہ گولی صرف گوشت میں سے گزری ہے اُس کی کوئی کرچ بدن کے اندر نہیں رہی۔ داسا پاربتی کے چند منٹ بعد ہی وہاں پہنچا تھا۔ مگر وہ سانحہ کچھ ایسی ڈراونہ سرعت کے ساتھ ہوا کہ اُس وقت پاربتی بیہوش پڑی تھی۔ ڈاکٹر نے کنجیوں کے ساتھ اسے ایک حکم دیا۔ جتنی دیر اس نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں اندر کا بڑا کمرا کھولا۔ اُس کی کھڑکیاں کھولیں ایک پلنگ کو جھاڑ کر اُس پہ گدگدا اور ستھرا بستر کیا۔ سارے کمرے کو خوب صاف کیا اور ایک زنانہ ریشمی جوڑا نکال کر پلنگ کے پاس کرسی پر رکھا۔ اتنی دیر میں سندر لال نے پاربتی کے زخم کو ڈرس کیا۔

دورے سے آیا ہوا اسٹریچر اور سفری سامان کے ساتھ گھر میں تھا اُس پر مریضہ کو لٹایا گیا۔ ڈاکٹر اور داسا اسے اُٹھا کر اندر لائے۔ پلنگ پہ لٹایا۔ اور اب دل اور سانس کا امتحان کر کے ڈاکٹر نے ایک خوراک ہوش میں لانے والی دوا کی بیہوش پاربتی کے حلق سے اُتاری اور

باہر دالان میں آکر پاربتی کا سامان دیکھنے لگا جو تخت پر رکھا تھا اور نہایت ہی مختصر تھا ایک پوٹلی میں ایک نیا کھدر کا زنانہ جوڑا۔ اور کچھ روپے ایک دھجی میں بندھے ہوئے۔ اور دُھلائی کے صابن کا ایک ٹکڑا۔ دوسری پوٹلی میں مختلف رنگ اور قماش کے زنانے اور بچکانے کپڑے کچھ سلے اور کچھ بیونتے ہوئے۔ باہر ایک سیا جاتا ہوا کپڑا۔ سوئی تاگا اور قینچی۔ یہ چیزیں دیکھ کر اور یہ یاد کر کے کہ غریب پاربتی پر یہ مصیبت اس کی لائی ہوئی ہے۔ اس کا دل بھر آیا آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ وہ اپنا سر پکڑ کے وہیں بیٹھ گیا۔

نہ معلوم وہ کب تک اِس پشیمانی میں مبتلا رہا کہ مریضہ کی ایک سسکی نے اُسے چونکایا۔ وہ اندر کمرے میں آیا تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہیں اور وہ سخت حیرانی سے اپنے اِردگرد دیکھ رہی ہے۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر اس کی بھویں ہلیں اور وہ کمرے کی فضا میں نظر جمانے لگی۔ وہ اپنے حافظے کو بیدار کر رہی تھی۔ ڈاکٹر سمجھا جو اس کے ذہن میں گزر رہا تھا اور اسے زیادہ کشمکش سے بچانے کو بولا۔

سندر۔ یہ سب میری غیر حاضر طبیعت اور

غفلت کا ظلم ہے۔ بی بی میں بہت قصور وار۔ گناہ گار ہوں۔
تمہاری طبعیت اب کیسی ہے؟

پاربتی۔ (اب اس کے تیور صاف تھے)
اوہ۔ ہاں! اب مجھے سب یاد آگیا۔ پیاس بہت ہے ڈاکٹر
نے پانی پلایا۔ پاربتی نے دونوں ہاتھ سندر لال کی طرف
بڑھائے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں میں
دیئے۔ پاربتی نہایت کمزور آواز میں بولی۔ "آپ نے میری
جان بچائی۔ مجھے آپ سے ایک عہد لینے کا حق ہے۔"

سندر۔ جان میں نے آپ کی بچائی یا۔

پاربتی۔ بحث کی مجھ میں طاقت نہیں۔ کہیئے۔

سندر۔ میں وہ عہد قبول کرتا ہوں فرمائیے
وہ کیا ہے؟

پاربتی۔ پھر کبھی آپ ایسا ارادہ نہیں کریں گے۔
اپنی جان لینے کا۔

سندر۔ نہیں کروں گا۔ مگر!

پاربتی۔ وہ بندوق یہاں پٹی کے پاس بستر
کے کنارے کے نیچے رکھ دی جائے۔ اس سے مجھے اطمینان ہوگا۔

پاربتی نے سندر لال کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ بندوق اُسی طرح رکھ دی گئی۔ ڈاکٹر نے ایک خوراک، دوا کی اور پلائی اور کہا۔

سُندر۔ آپ اجازت دیں تو آپ کی پوشاک بدل دیں۔

مگر پاربتی کی آنکھیں جھک پڑیں اور نیند کے سانس لینے لگی۔

۴

سرسوتی سے سُندر لال کے گھر کا وہ واقعہ کب چھپا رہتا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ ڈاکٹر کے گھر سے ملتا ہوا بس اُسی کا گھر تھا۔ فیر کی آواز وہ سنتی ہی سنتی۔ رات بھر اُسے بھی خلفشار رہا۔ اُس نے خاوند سے کہا کہ ڈاکٹر کے ہاں جاکر پتا لائے اُس نے کہا وہ اچھا ہے۔ میں نے ابھی کھڑکی میں سے دیکھا تھا۔ کپڑا پھاڑ کر پٹیاں بنا رہا تھا۔ مجھ سے یہ جاسوسیاں نہیں بن پڑتیں۔ تم جاؤ۔

وہ خاموش نہیں بیٹھی تھی۔ شام کو ہی اُس نے اپنی سہیلی یعنی ڈاکٹر کی بہن کو تار دے ہی دیا تھا کہ

"جلدی آکر بھائی کو دیکھو" بھنگن کی رپورٹ۔ داسا کا دو حرفی پر معنی جواب کہ "الیشر نے دونوں کو بچالیا" وہ سُن چکی تھی وہ عمداً دیر کر رہی تھی۔ آخر تیسرے پہر لمبا سا گھونگھٹ نکالے وہ ڈاکٹر کے ہاں آئی۔ وہ اسے آتا دیکھ کر بیمار کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ پاربتی کا دھویا ہوا چہرہ دیکھ کر نہایت متاثر ہوئی۔ دلی ہمدردی سے اُس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "بڑی تکلیف اُٹھائی۔ اب کیسی ہو؟ پاربتی نے یہ جواب دیا تھا۔ "کل گر پڑی تھی۔ ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور خیریت ہے" اس وقت سرسوتی کے بچے نے آکر کہا "پراؤنے (مہمان) آئے ہیں۔ اور وہ "پھر آؤں گی" کہہ کر چلی گئی۔

ڈاکٹر کی بہن رکھمن جموں میں بیاہی تھی اُس کا شوہر وہاں وکالت کرتا تھا۔ وہ آتے ہی پہلے سرتی ہی کے گھر پہنچی۔ سرسوتی نے اُن مہینوں میں ڈاکٹر کے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا سب کہہ سُنایا۔ داسا نوکر کو بلا کر اُس سے دریافت کیا گیا اور اُس نے جو کچھ اُسے معلوم تھا کہہ ڈالا۔

سرسوتی۔ وہ اصل بات پر پردہ ڈالتی ہے۔

گرنے سے اُس کی ٹانگ نہیں ٹوٹی۔ سُنو۔ فیر دو ہوئے یہ نہیں معلوم وہ کیوں ہوئے۔ داسا کہہ چکا ہے کہ بی بی سے تمھارے بھائی کی بات اُس وقت تک نہیں ہوئی تھی نہ وہ ملے ہی تھے۔ پھر اِس نشانہ بازی کی وجہ میری سمجھ تو نہیں آئی۔

رکھمن۔ میں اُسی سے پوچھوں گی۔ وہ مجھ سے کوئی بات چھپائیگا نہیں۔

سرسوتی۔ (مسکراکر) ایک بات کا دھیان رکھنا۔ ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ میں تو جانوں پرمیشر نے تمھیں گھر بیٹھے سب گن والی بھاوج بھیج دی ہے۔

رکھمن آتے ہی بھائی کو لپٹ گئی۔ دونوں کے آنسو نکل پڑے۔ اسے سوال اور جرح کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ بھائی نے اُس روز پہاڑ کی ملاقات سے آج تک کی کل روداد کہہ سُنائی اور اس کتھا کو اس طرح ختم کیا۔

سندر۔ وہ کہیں سے بھاگ کر نہیں آئی تھی۔ میری بے خیالی اور بھلکڑپن تو جانتی ہی ہے۔ مجھے ذرا بھی یاد نہ رہا کہ اُسے گھر بھیجا ہے۔ یہ مہینے اُس نے سلائی کی مزدوری کرکے اور اُس ننگے تخت پر سوکے کاٹے۔

یہ سب مجھے داسا سے معلوم ہوا۔ مجھے اپنے پر سخت غصہ آیا۔ نہایت غیرت آئی۔ اپنے آپ سے نفرت ہوگئی۔ اُس وحشت میں وہ کام کر بیٹھا۔ دوسری دفعہ میں اپنی بزدلی پر غالب آجاتا کہ اُس بچاری نے آکر مجھے بچالیا اور آپ مرتے مرتے بچی۔ اب تک مجھے حوصلہ نہیں ہوا ہے کہ اُس سے معذرت کرتا۔

رکھمن نے بھائی کو پیار کیا۔ اُس کے مُنہ پہ آہستہ سے تھپیڑ لگاکر بولی۔

رکھمن۔ تو سدا کا بونگا ہے۔ چل مجھے اُس کے پاس لے چل۔

سُندر۔ چلو (تبسم) مگر اُس کی بغل میں میری بندوق رکھی ہوئی ہے۔

رکھمن (جھجک کر) وہ کس واسطے؟

سُندر۔ یہ میں نہیں بتاؤنگا۔ تو نے مجھے تھپڑ کیوں مارا (تبسم)

سُندر (یہ کہہ کر باہر چلا گیا) یہ میری بہن رکھمن ہے۔

پاربتی نے بڑے پڑے نمسکار کیا۔ رکھمن نے

اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ اور کئی منٹ تک ٹکٹکی باندھ کر اُس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

رکھمن۔ کہیے۔ اب طبیعت کیسی ہے۔ یہ ہوا کیا تھا؟

پاربتی۔ کچھ نہیں۔ آنگن میں گر پڑی تھی۔ ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ کچھ دنوں میں جڑ جائے گی۔ پہلے سے اچھی ہے۔ ہاں آپ کے بھائی کو میری وجہ سے بہت تکلیف ہے۔

رکھمن نے بستر پر اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر دو ایک سلوٹیں نکالیں اور یکایک بندوق پر ہاتھ ڈال دیا۔ اُس پر سے چادر ہٹا دی۔

رکھمن۔ یہ۔ یہ بندوق کیا تم نے بغل میں رکھ چھوڑی ہے؟

پاربتی۔ (مسکرا کر) کہتے ہیں لوہا پاس ہونے سے بیماری جلدی جاتی ہے!

رکھمن (جذبات سے بیتاب ہو کر) تمھارے ٹانگ ٹوٹنے کے اور اِس جھوٹ پر لاکھ سچ قربان ہیں! مجھے یقین ہے کہ ساری زندگی میں یہ تمھارا پہلا جھوٹ ہے! خیر

جو ہوا سو ہوا۔ لیکن میرے بھائی نے تمھارے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔

پاربتی۔ آپ کو صحیح اطلاع نہیں ملی۔ آپ دیکھتی ہیں جس طرح مجھے رکھا ہے۔ اس سے اچھا سلوک کیا ہو سکتا ہے۔ سچ مانیے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ذرا بھی شکایت نہیں۔

رکھمن۔ تم اتنی بھلی ہو کہ شکایت تو تم کو ان لوگوں سے بھی نہ ہوگی۔ جو اس روز تم کو پہاڑ کے سناٹے میں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ مجھے اس دن سے آج تک کا سب حال معلوم ہے۔

پاربتی کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گرے۔ وہ ایک منٹ کی خاموشی کے بعد بولی۔

پاربتی۔ آہ۔ یہ سب کچھ آپ سُن چکی ہیں۔ تم سدا سہاگن رہو۔ بی۔ بی جو عورتیں بے وارث ہو جاتی ہیں اُن کی قسمت میں مصیبتیں ہی لکھ دی جاتی ہیں۔ پرمیشر عورت کا جنم نہ دے۔ کمبخت بندوق نے بھی مجھے قبول نہ کیا۔

رکھمن۔ اب تم جھوٹ کی مشق نہ کرو۔ یہ

نتیجے میں وہ اب تک بیمار تھی۔

پاربتی۔ آپ نے یہ سب باتیں کیوں یاد رکھ چھوڑی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ کی طبیعت نہایت غیر حاضر واقع ہوئی ہے۔ پھر آپ ان دو تین مہینوں کی باتوں کو بھول کیوں نہیں جاتے۔ آپ چپ ہیں کہیے۔

سُندر۔ میں نے اُس روز پہاڑ پر عہد کیا تھا کہ آپ کی خودداری اور عزت میں خلل نہ آنے پائے گا۔ یہ عہد میری زبان بند کرتا ہے۔

پاربتی۔ میں اس بات کو نہیں سمجھی آپ کا سلوک اس عہد کی پابندی کا زندہ ثبوت ہے۔ فرمائیے جو بات آپ کے دل میں ہے (تبسّم) میں آپ کے دل کی کیفیت سمجھ گئی ہوں۔ اِس میں کسی بات کا گھٹا رہنا خطرے سے خالی نہیں (بندوق کی طرف اشارہ) یہی تو ایک بندوق دنیا میں باقی نہیں۔ میں پھر کہتی ہوں اِن سب باتوں کو بُھلا دیجیے۔

سُندر۔ ایسا ہی ہوگا جو آپ کا حکم ہے۔ مگر یاد کو دل سے نکالنا میری طاقت سے باہر ہے۔

نیا سبق تمھیں یاد نہیں ہو سکتا۔ بتاؤ یہ بندوق کیوں بغل میں رکھ چھوڑی ہے۔

پاربتی۔ سنیے۔ یہ بندوق اِس لیے یہاں رکھ چھوڑی ہے کہ تمھارا بھائی اِس کے ساتھ پھر کوئی کھیل نہ کر بیٹھے۔

رُکھمن نے جھک کر پاربتی کو گلے لگایا اور کان میں کہا۔

رُکھمن۔ یہ ڈر فضول ہے۔ اب اُسے ایک جیتی جاگتی گڑیا مل گئی ہے۔

پاربتی نے شرما کر آنکھیں نیچی کرلیں۔

۵

اب پاربتی کا زخم تقریباً بھر چکا ہے۔ پلنگ پر بیٹھنے کی اجازت ہے۔ کبھی وہ گھسٹتی گھسٹتی آرام کرسی پر آ بیٹھتی ہے۔ جو پلنگ کے برابر رکھی ہے۔ اس وقت وہ وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر سندر لال آیا اور اس نے اپنی غفلت اور بے پروائی کی معافی مانگی جو ابتدائی ہفتوں میں اس کی طرف سے پاربتی کے ساتھ ہوئی اور جس کے

پاربتی۔ وہ کیا فرمائیے!

سندر۔ میں تم کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ کہو کہ تم بھی مجھے نہیں بھلا سکتیں۔ اب میری زندگی کا سہارا اس کا جواب ہے۔

پاربتی۔ (تامل سے) دیکھیے صاحب! آپ جو زندگی کی رفاقت کی دعوت دیتے ہیں بہت مبارک ہے۔ میں صاف کہتی ہوں اور بغیر جھجک کے کہتی ہوں کہ دنیا میں وہ گھڑی نہایت سبھ گھڑی ہوتی ہے جب دو معصوم دل خلوص کے رشتے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوں لیکن وہ دونوں معصوم تو ہوں۔ ہمارا ملنا بہت ہی انوکھی صورتوں میں ہوا ہے آپ کو ذرا بھی معلوم نہیں میں کون ہوں کس خاندان اور نسل سے ہوں۔ اب تک کیا کرتی رہی!

سندر۔ ایک انمول ہیرا مجھے قسمت سے پہاڑوں میں پڑا مل گیا۔ بس میں یہ جانتا ہوں۔ وہ کس کان کا ہے؟ کس نے اسے جلا دی؟ اب سے پہلے وہ کس کس زیور میں جڑا گیا؟ ان کہانیوں سے مجھے غرض نہیں۔ ہاں یہ دوسری بات ہے اگر مجھے اس خوشی اور جنم بھر کے سکھ کے

قابل نہ سمجھا جائے۔ اور اس میں کوئی شکایت نہیں کہ ابتدا
سے میرا سلوک نہایت نفرت اور لعنت کے قابل رہا ہے۔
پاربتی۔ آپ تو ابھی ان باتوں کے بھلا دینے
کا اقرار کر چکے تھے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر ہماری قسمتیں ایک
ہو گئیں تو کہیں آپ اُسی طرح مجھے نہ بھلا دیں۔ جس طرح
دشینیت نے بچاری شکنتلا کو بھلا دیا تھا۔
سندر۔ میرے اس سوال کا جواب؟
عین اس وقت رکھمن مسکراتی داخل ہوئی
اور بھائی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
رکھمن۔ تو سدا کا کوڑ مغز رہا۔ خبر ہے ڈاکٹر
کیونکر بن گیا۔ دو چار ناول پڑھ ڈال۔ بھئی وہ اپنی زبان
سے اور کیا کہیں۔ تیری عقل تو بیماروں کی پٹی اور دواؤں
کی بوتلوں میں بند ہے ـــ بھابی یہ تم کو نہیں بھلا سکتا۔ یہ
انگوٹھی (وہی جو پاربتی نے سرسوتی کو بیچنے کے لیے دی تھی)
پہن لو یہ ہمیشہ تم کو اُس کے دل میں رکھے گی۔
پاربتی۔ یہ انگوٹھی ان کی اُنگلی میں رہنی چاہیے۔
تاکہ ہر وقت ان کی یاد کو جگاتی رہے۔ دُنیا میں دُر باسا

بہت ہیں (انگھوٹھی ڈاکٹر کی انگلی میں ڈال دی)

رکھمن (بھائی سے) اب تجھے اِس سوال کا جواب مل گیا ؟ بی بی تم بھی سُنو ! صاف بات اچھی ہوتی ہے ۔ تم کو اِس کا بہت خیال ہے اور یہ خیال ہے بھی جا ہے ۔ کہ تمھاری نسبت کچھ بھی معلوم نہیں ۔ کل کو کسی نے کچھ کہہ دیا ۔ کوئی گم نام خط آگیا تو اس کا دل بُرا ہوگا ۔ ہمارے دل میں شبہے اُٹھیں گے ۔ بھئی یہ سب اپنے نیک اور پاک دل کے وہم ہیں ۔ ہم بھی دنیا میں رہتے ہیں اور اِنسانوں سے ہی برتتے ہیں ۔ یہ ہمارا یقین بہ ہما بھی نہیں مٹا سکتا کہ تم ہم سے ۔ مجھ سے اور میرے بھائی سے زیادہ شریف اور نیک ہو ۔ سنو ۔ سنو ۔ یہ اِس وجہ سے کہ تم وہ سونا ہو جو آگ میں ڈال کر کسوٹی پر کسا جا چکا ہے ۔ اب سمجھیں میرا مطلب ، ہاں ایک بات میں تمھیں آج ہی بتادوں (تبسّم) یہ میرا بھائی کچھ عجیب ہی سا ہے ۔ تمھیں گویا ایک بالغ بچّے کی دیکھ بھال رکھنی پڑے گی ۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اُس کے سوا تمھیں اِس سے شکایت کا کبھی موقع نہیں ملے گا ۔

تینوں شخص مُسکرائے رکھمن پھر بولی ۔

رکھمن - اب میں کل گھر جاتی ہوں - تم لوگوں کے کپڑے تیار کرانے ہیں - بچوں کو لانا ہے - اُن سے بھی کہوں گی اگر کام نے اجازت دی - آج کے چھٹے دن اچھی ساعت ہے - میں نے پنڈت سے پوچھ لیا ہے - جب تک تھوڑی بہت کسر جو ٹانگ میں ہے نکل جائے گی -

۶

سُندر لال اور پاربتی کے بیاہ کو ایک ہفتہ ہوگیا - سُندر لال اب ریاسی کے ہسپتال میں ہی لگ گیا ہے - وہ دونوں خوش - نہایت خوش اور سُکھی ہیں - سُندر لال اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس میں یہ اشتہار نظر پڑا -

"میرے پہاڑ میں چھوڑے ہوئے گلاب -
فوراً اپنا حال لکھو تم کہاں اور کس طرح ہو - جب تک تمہارا پتہ نہیں چلے گا میں اپنے باغ میں نہیں جاؤں گا"
ر - ل معرفت منیجر اخبار

سُندر لال اس اشتہار پہ جھکا ہوا سوچ میں تھا کہ پاربتی اُدھر آ نکلی -

پاربتی۔ آج اخبار میں کوئی نہایت دلچسپ مضمون ہے۔ میں بھی دیکھوں۔

سندر۔ لو۔ دیکھو۔

یہ کہہ کر اُس نے اُس اشتہار پر اُنگلی رکھی۔ اخبار کو پڑھ کر پاربتی کا سینہ اتھل پتھل ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ خاوند نے اُسے اپنے گھٹنے پر بٹھا لیا۔ گردن میں ہاتھ ڈال کر اُس کے آنسو پونچھے۔ پاربتی نے بھی اپنی باہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں۔

پاربتی۔ پیارے! اب ہمارے درمیان کوئی پردہ، کوئی راز نہیں رہنا چاہیے۔ سُنو۔ یہ اشتہار میرے بھائی کی طرف سے ہے۔ وہ مجھے بہت پیار کرتا تھا۔ میری سُسرال بچپن ہی میں اُجڑ گئی تھی۔ میکے میں بھاوج تھی جس کا سلوک میرے ساتھ۔ بس کیا بتاؤں اُس دن ہمیں وہاں ٹھہرے دوسرا دن تھا۔ کشمیر سے آ رہے تھے، لاری کا دُھرا ٹوٹ گیا تھا۔ شوفر نیا لانے جموں چلا گیا اور ہم سب عورتیں جن میں ہمارے ساتھ کی پردہ دار بھی تھیں، پہاڑ پر چڑھ گئیں۔ بھائی نیچے ٹھہرا۔ ہم میں بحث ہوئی کہ کون زیادہ دُور تک

جاتا ہے۔ ہم سب پاس پاس کھنڈ گئیں۔ کئی گھنٹے ہم پہاڑ پر رہے۔ خبر آئی ہوگی کہ لاری بن گئی۔ سب چل پڑے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھنے کو تھی کہ بھاوج نے دُور سے پکار کر اور جیسی کہ اُس کی عادت تھی تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "اب چلوگی بھی یا یہیں بیٹھی رہوگی۔ نہیں آتیں تو پاربتی بنی یہیں بیٹھی رہنا۔ تمھیں قسم ہے اپنے پیاروں کی۔" میرا نام بھی پاربتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ میرا کلیجہ اُس سے کھٹکا ہوا تو پہلے ہی تھا۔ میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا وہ چلی گئی۔ میرا ارادہ وہیں بیٹھے رہنے کا نہ تھا۔ مگر دل میں ایسے ایسے خیال اُٹھے کہ وقت اور مقام کا احساس نہ رہا۔

سندر۔ خیر وہ تو ہو چکا۔ اب اس کا کیا کریں؟

پاربتی۔ کرو جو تمھارے جی میں آئے۔ لاری سے جموں تک۔ جموں کے اسٹیشن سے وزیر آباد تک، وہاں سے گجرات تک اور گجرات کے اسٹیشن سے گھر تک جس بھائی نے یہ خبر نہ لی کہ بہن جیتی ہے یا مر گئی اور پھر اتنے مہینے سکھ کی نیند سوتا رہا۔ اُس بھائی کو پھر پھانس کی طرح دل میں

گھسائے رکھوں - یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

مگر شنڈر نے اگلے ہی دن یہ جواب مسٹر ر-ل کو لکھ دیا۔ "میں جانتا ہوں آپ کی بہن کہاں رہتی ہے۔ آپ اُس کا حلیہ گم گشتگی کے وقت کی پوشاک اور اپنا نام اور پتہ لکھیں تاکہ کوئی شبہ نہ رہے۔ اور میں مفصل نشان دہی کر سکوں۔" آخر میں صرف اپنا نام اور ہسپتال کا پتہ لکھ دیا۔ لوٹتی ڈاک سے مفصل جواب آیا معہ ایک ہزار کے انعام کے دعوے کے ر-ل کا مطلب کھلا۔ رام لال۔ اُس کا جواب جو دیا گیا اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

.... شریمتی پاربتی اس وقت میرے دل کا چین۔ میری بیاہتا بیوی ہے۔ وہ مجھے کن صورتوں میں ملی یہ طویل روداد ہے۔ اس کو رنج ہے اور واجبی رنج ہے کہ آپ لوگ اسے اس طرح چھوڑ کر چلے گئے اور اب تک کسی نے خبر نہ لی۔ لیکن اُمید ہے کہ جب آپ ملیں گے تو یہ رنج اور غصہ دُور ہو جائے گا۔ کیا عنقریب آپ کی تشریف لانے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

رام لال آیا۔ بہن پہلے بہت بھڑکی۔ جھنجلائی۔
مگر جب یہ سُنا کہ " لاری پر جب سب چڑھ گئے اور میں نے پردے
کے پاس آکر پوچھا سب آگئے۔ تو بیوی نے جواب دیا آگئے۔
سارے رستے اترائی تھی۔ مارا مار جموں توی کے اسٹیشن پر پہنچے۔
ریل کے چھوٹنے میں صرف چند منٹ تھے میں قلیوں سے یہ کہہ کر
کہ سب اسباب اور سواریوں کو زنانے درجے میں لے جاؤ۔ آپ
ٹکٹ خریدنے گیا۔ ٹکٹ لے کر جب میں پلیٹ فارم پر آیا تو
ریل چلنے لگی تھی۔ میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ سویا تو وزیر آباد میں
جاگا اسٹیشن پر اترتے ہی معلوم ہوا کہ میرے نام کا تار آیا
ہوا ہے۔ وہ تار میرے دفتر کا تھا سنیا گراہ کی وجہ سے کام کا
زور۔ رخصت منسوخ۔ فوراً حاضر ہو۔ میں سوچ رہا تھا کیا
کروں کہ لاہور کی طرف جانے والی ریل آگئی۔ اس میں نہ جاؤں
تو وقت پر شملہ نہیں پہنچ سکتا۔ بھیڑ میں بیوی نظر آئی اُس سے
دو باتیں کیں اور اپنی چیز جو ہاتھ آئی لے کر ریل میں چڑھ بیٹھا۔
جب تیرے خط کو دو مہینے ہوگئے تو میں نے تیری بھاوج کو لکھا کہ
بہن کا جواب کیوں نہیں آتا کیسی ہے۔ اُس بھلے مانس نے یہ لکھا کہ
جب گجرات کے اسٹیشن پر اُترے تو تُو نہیں ملی۔ تلاش کیا۔ سب

اسٹیشنوں کو تار دیے۔ پولیس میں اطلاع کی چاروں طرف آدمی دوڑائے وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں گنجاہ گیا۔ بیوی نے وہی کہانی دھرائی جو اس چٹھی میں لکھی تھی۔ مگر کاکا کی زبان سے یہ نکل گیا کہ تو لاری میں گیا تھی ہی نہیں جب وہ جموں کو روانہ ہوئی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ اس عورت کی کرتوت جانتا ہی تھا۔ اسی وقت گھر سے نکل پڑا اور کہہ دیا کہ اب تیری صورت نہیں دیکھوں گا۔ جب سے مجھے خبر نہیں اُن لوگوں کا کیا حال ہے خط جو آئے بے پڑھے بند کے بند رکھ چھوڑے۔ خرچ مہینے کے مہینے بھیجتا رہتا ہوں۔ سب سے پہلے میں اِدھر آیا اور اُسی پہاڑ پر پہنچا۔ مگر کچھ پتا نہ چلا۔ یہاں کی پولیس کو لکھا۔ بیہودہ۔ وہ کہتے ہیں مرتا کیا نہ کرتا۔ ایک بہت بڑا جوتشی مدراس سے شملہ آیا تھا۔ بھائی صاحب آپ ہنستے ہیں سُنئے تو۔ مجھے تو آگے کو کان ہوئے۔ یہ لوگ بھی عجیب اُلّو ہوتے ہیں یا کیسے بھلے آدمیوں کو خوب اُلّو بناتے ہیں۔ کہنے لگا بڑا اکشت اٹھایا۔ کسی نے دور سے آگ پھینک کر ماری۔ مرتے مرتے بچی۔ اب بڑے سُکھ میں ہے۔

سندر۔ اس میں اُلّو۔ گدھے کی کوئی بیخ نہیں۔

یہ سب سچ کہا گیا۔

یارہ بتی۔ اب یہ کہانی آگے جا کر سنائے گا۔

رام۔ آخر میں نے ہار کر وہ نوٹس اخباروں میں دیا۔ بہن اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گی تو میں تیری قسم کھا کے کہتا ہوں اسی پہاڑ پر جا کر بیٹھ رہوں گا جہاں وہ (نہایت غصے کے تیور سے) بُری عورت تجھے چھوڑ آئی تھی۔

پاربتی۔ میں تجھے معاف کروں اگر تو ایک قول دے۔

رام۔ منظور۔ جو تو کہے گی مانوں گا۔

پاربتی۔ بھاوج سے اب کچھ نہ کہیو۔ نہ اُس کی طرف سے دل میں رنج رکھیو۔

رام اور شندر۔ (ایک زبان سے) اوہ! دیوی۔ تو سچی پاربتی دیوی ہے۔

سشن سپرد

مسٹر میکفرسن لنڈن کی خفیہ پولیس کے نامی مرکز سکاٹ لینڈ یارڈ کے لائق افسروں میں تھے وہ مشرقی زبانوں کے کالج کے سند یافتہ تھے، اب چونکہ ہندوستانیوں کی آبادی انگلستان میں بڑھ رہی تھی وہ ایک ہمپایہ افسر کے ساتھ جو اور کہیں دورے پر تھا اس غرض سے ہندوستان بھیجے گئے کہ یہاں آکر اہل ہند کے رسم و رواج اور عادات و خصائل کا مطالعہ کریں جس واقفیت کی اہمیت ظاہر ہے کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کے کام میں بہت مدد دے گی۔

مسٹر میکفرسن کو ہندوستان آئے تین برس کے قریب ہو چکے تھے اور وہ ملک کے ہر صوبے اور ریاست میں

رہ کر کافی واقفیت فراہم کر چکے تھے، اب وہ انگلستان کو واپس جانے والے تھے اور دہلی میں اپنے پُرانے دوست مسٹر براؤن سے ملنے آئے تھے جو یہاں کے پولیس کے اعلیٰ افسر تھے۔

براؤن :۔ آپ پہاڑی ریاستیں بھی دیکھ آئے یہ اچھا کیا، اب آپ نے سارا ہندوستان دیکھ لیا۔ آپ کی رپورٹ غالباً تیار ہوگی؟

میکفرسن :۔ ہاں دیکھ تو لیا، اور رپورٹ بھی ساتھ ساتھ لکھتا رہا ہوں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

براؤن : وہ کیا بات ہے؟

میکفرسن :۔ وہ یہ کہ سرحدی صوبہ کو چھوڑ کر ہندوستانی ناگزیر صورت کے بغیر کسی کی جان پہ ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہ کیوں؟

براؤن ۔ (قہقہہ) یہ بھی عجیب دریافت ہے ذرا تشریح کیجیے۔

میکفرسن :۔ یعنی یہ کہ عورت کی عصمت یا بیوفائی کے بارے میں تو ہندوستانی گویا دسویں صدی عیسوی کا

باشندہ ہے اور........

براؤن :- (بات کاٹ کر) اور یہ خون سے رنگے ہوئے ڈاکے؟

میکفرسن :- اس کا پہلا سبب تو آپ کے بھائیوں کی تصنیفیں ہیں اور آخری اللہ تعالیٰ سبب سرمایہ اور مزدوری کی جنگ ہے جس میں تھوڑی مدت جاتی ہے کہ ساری مہذب دنیا کو شریک ہونا پڑے گا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ہندوستانی کی ذہنیت فطرت سے ایسی واقع ہے کہ وہ بادلِ ناخواستہ کسی انسان کی جان لیتا ہے اولاد کی محبت اسے اس حد تک ہے کہ پھانسی پر چڑھ کر اسے یتیم بنانے کو اُس کا جی نہیں تھکتا۔ ہاں یہاں مذہب کا نام بہت قربانیاں لیتا ہے مذہب ہی تو اس ملک کی شامت ہے۔

براؤن :- اچھا جب ساہوکار کے سوا دولت قتل کا محرک اور سبب ہو تو اس قتل کو آپ بادلِ ناخواستہ کہیں گے؟

میکفرسن :- کیوں، ہرگز نہیں۔

براؤن :- تو سنئے، ابھی ایک ملزم قتلِ عمد کے جُرم میں سیشن سُپرد ہوا ہے جو پورے اور لغوی معنی میں محسن کُش

گردانا گیا۔ اس میں آپ کیا کہیں گے؟

میکفرسن:۔ مقدمہ کی مثل دیکھے بغیر کیا کہہ سکتا ہوں۔

براؤن:۔ (میز سے ایک مثل اُٹھاتے ہوئے) یہ لیجئے۔ یہ ابتدا سے سپردگی سشن تک کی رُوداد ہے۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، براؤن نے سُن کر جواب دیا "بہت خوب" ابھی حاضر ہوا۔

براؤن:۔ میکی، میں ایک ضروری کام کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس جا رہا ہوں۔ اتنے آپ یہ مثل پڑھیں اور (مسکرا کر) اپنے نظریوں کی جانچ کریں۔

میکفرسن نے وہ مثل پڑھی اور پھر غور سے پڑھی، اور بہت سی باتیں اپنی پاکٹ بک میں نوٹ کیں مثل کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پاربتی دیوی ایک بہت مال دار بیوہ اور اپنے شوہر کی پیدا کی ہوئی جائداد کی واحد مالک اور وارث تھی۔ خیرات بہت کیا کرتی، کوئی تین برس ہوئے ایک لڑکا جس کی عمر پندرہ برس کے قریب ہوگی اس کے دروازے پر آیا، دُبلا پتلا سا۔ کپڑے چیتھڑا۔ پاربتی نے

اُسے پاس بُلایا وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ کمزور اتنا کہ اچھی طرح چل بھی نہ سکتا تھا۔ پاربتی کو اس پر بہت رحم آیا۔ اور اسے ایک تھئی پُوریوں کی، حلوے کا ایک بڑا ڈلا رکھ کر دی اور ایک موٹی اُون کی جرسی اور اچھی سی رضائی دی، اس نے شنکر یہ کے ساتھ کہا کہ اسے کئی دن کا فاقہ ہے یہ کھانا پچیگا نہیں اور یہ کپڑے بہت اچھے ہیں کوئی اس سے چھین لیگا، اسے نوکروں کا کوئی پرانا دُھرانا کمبل مل جائے تو اس کے پاس رہ سکے گا، مختصر بڑھیا کو اس پر بہت ترس آیا اس کا سلیقہ اِستغنا اس نے بہت پسند کیا۔ پہلے اُسے نوکر رکھ لیا اور پھر وہ لے پالک کی طرح رہنے لگا۔ اور اس کی تعلیم کا اِنتظام کیا گیا۔ بڑھیا ایک وصیت کرنا چاہتی تھی لیکن کسی وجہ سے اس کی تکمیل نہ ہوسکی، کچھ دنوں سے بڑھیا کا دیور رائے صاحب لکھمیداس بلند شہر سے دہلی آگیا تھا اپنی بھاوج کے پاس۔ اس کے وہاں شنکر کے کئی کارخانے تھے وہاں وہ آنریری مجسٹریٹ بھی تھا، منشی جو حساب کتاب رکھتا تھا اس کی شہادت سے پتہ چلا کہ واردات سے چند ہی مہینے پہلے بڑھیا نے شنکر کا جیب خرچ پچاس سے دس روپیہ مہینہ کر دیا تھا موقعہ کی شہادت یہ تھی کہ

شام کے ۹ بجنے کو تھے اور متوفیہ کے دُودھ کے وقت کو دیر ہوگئی تھی ایک ملازم جس کے سُپرد وہ کام تھا جب دودھ لے کر گیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی مالکہ بیہوشس اور خون میں تر بتر ہے ایک چاقو اس کے سینہ میں کھُبا ہوا ہے اور شنکر اُس کا دستہ پکڑے اُس پر جھکا ہوا ہے، شنکر کی پگڑی کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اور کچھ فرش پر لٹک رہی ہے وہ چپ چاپ باہر لوٹ آیا اور دوسرے نوکروں کو لے جاکر شنکر کو پکڑ لیا پولیس کو بلایا گیا اور رائے صاحب کو کلب سے لانے آدمی دوڑے یہ بھی بیانوں سے معلوم ہوا کہ متوفیہ کے پلنگ کے پاس ایک تپائی رکھی رہتی تھی جس پر اور چیزوں کے علاوہ ایک ٹائم پیس رہتا تھا اس کی سب چیزیں نیچے گری پڑی تھیں اور ٹائم پیس نو بجے بند ہوا تھا، شنکر کا بیان یہ تھا کہ وہ متوفیہ کے مزاج کا حال دریافت کرنے حسبِ معمول وہاں گیا تو دیکھا ایک لمبے پھل کا شکاری چاقو اس کے دل میں کھُبا ہوا تھا اور وہ اور تمام بستر خون سے تر بتر تھا پہلے تو اُسے کچھ نہ سُوجا کہ کیا کرے پھر اس نے سوچا کہ شاید کچھ جان باقی ہو اُس نے سر سے اپنی پگڑی کھولی یہ سوچ کر کہ چاقو نکالوں گا تو خون جو بدن میں رہا

ہو گا۔ اُبل پڑے گا اس نے اپنی پگڑی زخم کا منہ بند کرنے کو اُتاری، وہ چاقو نکالنے ہی کو تھا کہ لوگوں نے آ کر اُسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا، عدالت میں چاقو کو دیکھ کر ملزم نے کہا کہ وہ شکاری چاقو اسی کا تھا مگر وہ واردات سے کچھ دن پہلے کھویا ہوا تھا اور اُس نے گلاب دئی ملازمہ سے پوچھا تو اس نے کہا تھا کہ رائے صاحب نے اس سے وہ چاقو لے لیا ہے گلاب دئی واردات کے دن سے بے پتہ تھی، گمان تھا کہ مالکنی کا یہ سانحہ دیکھا تو وہ کوئی قیمتی چیز لے کر بھاگ گئی۔ رائے صاحب کو چاقو کا کوئی علم نہ تھا اور وہ واردات کے وقت اپنے کلب میں تھے، ٹائم پیس کی خاموش شہادت کوئی چیز رد نہ کر سکی، مختصر یہ کہ تمام حالات شنکر کے خلاف تھے اور وہ ابتدائی تحقیقات کے بعد قتلِ عمد کے الزام میں سیشن سپرد ہو گیا تھا۔

مسٹر براؤن نے واپس آ کر اپنے دوست سے پوچھا کہ مثل دیکھ لی اُس نے کہا "دیکھ لی اور ساتھ ہی پوچھا کہ کیا وہ ملزم اور واردات کے موقعہ کو دیکھ سکتا ہے" مسٹر براؤن نے اسے دو چٹھیاں جیل اور کوتوالی کے افسروں کے نام دیں

اور اپنے دوست سے معافی چاہی کیونکہ کچھ دُور ایک قصبہ
میں بلوہ ہو جانے کی وجہ سے اسے وہاں جانے کا حکم
ملا تھا۔

میکفرسن اور شنکر دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔
میکفرسن کے ہندوستانی دورے کے ابتدائی دنوں میں ایک روز
وہ شکار میں تھا کہ اسے شکار کیے ہوئے جانوروں کو اُٹھانے
کے لیے کسی آدمی کی ضرورت پڑی اتفاق سے شنکر پھرتا پھرتا
جنگل میں اسے مل گیا۔ اس نے وہ چیزیں اُٹھا لیں اور شام
تک اس کے ساتھ رہا۔ رخصت ہوتے وقت میکفرسن نے شنکر
کو ایک روپیہ دیا۔ مگر اس نے یہ کہہ کر واپس کیا کہ جو کام اس
نے کیا وہ چونّی سے زیادہ کا نہیں، میکفرسن حیران رہ گیا۔
اور سوچا کہ یہ عجیب لڑکا ہے اس نے چونّی کے ساتھ اپنا شکاری
چاقو اسے یادگار کی طور پر دیا۔

میکفرسن:۔ میں تم سے صرف دو باتیں
پوچھوں گا ایک تو یہ کہ متوفیہ نے تمھارے جیب خرچ کے
پچاس سے دس کیوں کر دیے، اور دوسرے یہ کہ گلاب دئی

نوکرانی کے گھر یا کسی رشتہ دار کا پتہ بتا سکتے ہو۔
شنکر:۔ دیوی جی کا دیا ہوا میرے پاس دو ہزار روپیہ ہو گیا تھا جو بنک میں جمع ہے اُس سے کوئی کاروبار کر لیتا۔ مجھ سے زیادہ غریب اُن کی سخاوت اور عنایت کا حق رکھتے تھے اِس لیے میں نے جھگڑ کر اپنا الاؤنس گھٹوایا، اور گلاب دئی کی نسبت مجھے کچھ معلوم نہیں، صاحب کیا اچھا ہوتا کہ آپ اُس روز وہ چاقو مجھے نہ دیتے۔
میکفرسن:۔ مقدمہ کی مِثل چاہے کچھ کہانی سُنائے لیکن میں تم کو مجرم کبھی نہ کہوں گا۔
شنکر:۔ (آبدیدہ ہو کر) مجھے اس کا غم نہیں کہ میں پھانسی پاؤں گا غم اس کا ہے کہ میں محسن کش سمجھا جاؤں گا۔ خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔
میکفرسن نے مشکل سے ہمدردی کے زبردست جذبات کو ضبط کیا۔ اور یہ کہہ کر رخصت ہو گیا:۔
"یقین رکھو کہ خدا ہی تمہاری مدد کرے گا"
میکفرسن سیدھا وہاں سے کوتوالی پہنچا اور ایک سب انسپکٹر کو لے کر واردات کی جگہ آیا یہاں پہنچ کر پہلے اس نے

باہر سے مکان ملاحظہ کیا ریل کی سڑکوں کے اُوپر عام رہ گزر کے
بیے جو پُل تھا اُس کی سلامی کے ختم ہونے کے قریب اس مکان
کی ڈیوڑھی تھی وہ ایسی تھی جیسی بڑے مکانوں کی ہوتی ہے سلامی
جو بہت دُور تک مکان کی اُوپر کی منزل سے باتیں کرتی تھی
اس کے اور اُس مکان کے درمیان اِدھر اُدھر ایک سکڑی جھوت
تھی، مکان کی نچلی منزل میں صرف ایک اک پٹا دروازہ جھوت
میں سے کھُلتا تھا، جس میں ولائتی وضع کا جڑ تال لگا تھا۔ جو اندر
اور باہر دونوں طرف سے کھُل سکتا اور بند ہو سکتا تھا۔ اندر جاکر
اسے معلوم ہوا کہ جس کمرے میں وہ دروازہ کھُلتا تھا جس کا ابھی
ذکر تھا وہ رائے صاحب کا ڈریسنگ رُوم تھا۔ اور وہاں سے
ایک تنگ زینہ اُوپر ایک برآمدے میں چڑھتا تھا جس میں
ہوکر متوفیہ کے کمرے کا راستہ تھا، سارے مکان کا معائنہ
کرکے جب اُوپر اس برآمدے میں پہنچے تو میکفرسن نے دیکھا کہ
ساتھ کے مکان کے ایک جھروکے سے اُس برآمدے میں صاف
نظر پڑتی ہے۔ ساتھ کے سب انسپکٹر سے پوچھا۔
میکفرسن :۔ کیا میں یہ پڑوس کا مکان
دیکھ سکتا ہوں۔

سب انسپکٹر :- یہ ملزم کے وکیل مسٹر موہن لال کا مکان ہے اور میں اول سے اس مقدمہ کی تفتیش میں شریک رہا ہوں۔

میکفرسن :- میں سمجھا آپ تکلیف نہ کریں مگر میں اس جھوٹے دروازے کو پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔

وہاں جاکر اس نے اپنی جیب سے ایک چوربتی نکالی اور اس کی روشنی ضرورت کے مطابق کرکے ایک جیبی کیمرے سے اندر اور باہر سے اس جڑ تال کی تصویر لی، پڑوس کے مکان کے پاس میکفرسن نے سب انسپکٹر کو رخصت کرکے اپنا کارڈ اندر بھیجا آدھے منٹ کے بعد موہن لال باہر آکر اسے ملاقات کے کمرے میں لے گیا جہاں دو تپائیوں پر چائے کا سامان سجا ہوا تھا جس کے آگے ایک نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

میکفرسن :- میں اس کا شبہ بھی نہیں کرسکتا کہ یہ قتل شنکر نے کیا لیکن مثل سراسر اس کے خلاف ہے وہ میں دیکھ چکا ہوں جب تک گلاب کا پتہ نہ چلے ہم اس

بے گناہ کی جان نہیں بچا سکتے۔

مِس لال :۔ نہیں مسٹر میکفرسن یہ کیک ضرور چکھئے یہ ہماری دہلی بسکٹ فیکٹری کا بنا ہوا ہے بیشک گلابؔ دئی اس معمّے کی کنجی ہے وہ اُس روز یہیں نھی اپنی بہن کے پاس آئی تھی جو ہمارے ہاں نوکر ہے ہم اسے یہیں چھوڑ کر ٹینس کو چلے گئے تھے، ہاں بھائی آج اُس کا ایک خط گیاؔ سے اپنی بہن کے نام آیا ہے۔ تمھارے کچہری کے آنے سے کچھ ہی پہلے تو آیا تھا۔ (جیب سے خط نکال کر) میں نے اُسے سُنا کر رکھ لیا ہے یہ لیجئے، گیاؔ کے کسی سب آفس کی مہر ہے جو صاف پڑھی جاتی ہے وہ بہت سیدھی بلکہ بھولی عورت ہے اگر مل جائے تو وہ سچ بات فوراً اُگل دے گی۔

میکفرسن :۔ یہ خدا کی طرف سے امداد ہے، یہ خط مجھے دے دیجے، مجھے بہت کام دے گا، میں پہلی ٹرین سے گیاؔ جا رہا ہوں (کھڑے ہوتے ہوتے) ہاں اُس گلابؔ دئی کا حلیہ کیا ہے؟

مِس لال :۔ ادھر آئیے (ایک تصویر کے پاس لے جا کر جو دیوار پر ٹنگی تھی) کوئی چار برس کی یہ تصویر

ہے جب بھائی ولایت جانے لگے تھے اس میں یہ گلاب دئی ہے۔

میکفرسن :۔ شکریہ، میں اب اپنے ہوٹل سے سیدھا اسٹیشن جاتا ہوں، مسٹر لال آپ دو کام کیجیے ایک تو یہ کہ اس مقدمہ کو جہاں تک ہو سکے طول دیجیے کیونکہ نہ معلوم مجھے گیا میں کتنی دیر لگے اور دوسرے یہ کہ (جیب سے کیمرا نکال کر) اس میں جو فلم ہے اسے ڈیولپ کرا کے اس کی دو چار کاپیاں بنوا رکھیے۔

موہن :۔ یہ سب کچھ ہو جائے گا یہیں، موہنی اچھی فوٹو گرافر ہے اور یہاں سب سامان موجود ہے دو منٹ ٹھہریے، کہ میں موٹر لے آؤں ہم نے شوفر نہیں رکھا ہوا ہے۔

میکفرسن نے پنجابی کا بھیس بدلا آنکھوں پر گہرے رنگ کی عینک چڑھائی اور گیا روانہ ہو گیا۔ وہاں گلاب دئی کے تلاش کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی وہ بہت بھولی عورت نکلی۔ میکفرسن کو گلاب دئی کے اس خط نے جو موہنی سے ملا تھا پاسپورٹ کا کام دیا اس نے وہ خط دکھا کر کہا کہ رائے صاحب نے سخت تاکید کر دی

ہے کہ وہ اپنی بہن کو ابھی کچھ دنوں تک خط نہ لکھا کرے، خط دیکھ کر پورا یقین ہو گیا کہ میکفرسن رائے صاحب ہی کا بھیجا ہوا ہے اس نے پانچ پانچ کے دس نوٹ دے کر کہا:۔

میکفرسن:۔ یہ رائے صاحب نے بھیجے ہیں یہ رقم اُس سے الگ ہے جو تم کو ملا کرتی ہے اور پوچھا کہ ضرورت پر تمھیں روپیہ ملتا رہتا ہے؟

گلاب:۔ ہاں جی، گوبند پنڈا جی اچھے آدمی ہیں جب ضرورت پڑتی ہے تُرت ہی روپیہ دے دیتے ہیں۔

میکفرسن:۔ اُن سے بھی رائے صاحب نے کچھ کام بتایا ہے تم یہ کرو کہ گوبند پنڈت کو آج شام کے چار بجے میرے پاس پنجابی ہوٹل میں بھیج دو اور تم دوپہر کو تھوڑی دیر کے لیے وہاں آ جاؤ تو کچھ چیزیں تم کو دے دوں جو اُنھوں نے تمھارے لیے بھیجی ہیں۔

مقررہ وقت پر گلاب دئی ہوٹل میں پہنچی، میکفرسن نے دو کام کر رکھے تھے ایک تو وہ بازار سے کچھ اچھی ساڑیاں اور کپڑے خرید لایا تھا اور دوسرے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے

مل کر ایک مجسٹریٹ کو بُلا رکھا تھا جو ساتھ کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ وہ کپڑے گلابؔ دئی کو دیے اور ترکیب سے سب کچھ اُس سے اُگلوا لیا اس نے کہا کہ قتل کی شام کو وہ اپنی بہن سے ملنے موہن لال کے ہاں گئی تھی بہن کسی کام کو نیچے گئی اور وہ اکیلی اس جھروکے میں جس کا ذکر آگے آچکا ہے ریل کو دیکھ رہی تھی جو گھڑگھڑ کرتی آ رہی تھی، کہ اس کی نظر متوفیہ کے کمرے کی طرف گئی تو اُس نے دیکھا کہ رائے صاحب متوفیہ کے کمرے سے باہر نکلے ان کے ہاتھ میں وہ ٹائم پیس تھا جو متوفیہ کے کمرے میں رہا کرتا تھا اُنھوں نے مجھے دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کیا میں اُتر کر وہاں گئی متوفیہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اور وہ میرے انتظار میں کھڑے تھے اُنھوں نے مجھے بہت سے روپے دیے اور وہیں سے جھوت کے دروازے سے اپنے ساتھ نیچے لے جاکر کہا کہ اُسے مالا مال کر دیں گے اگر وہ فوراً اسٹیشن چلی جائے اور وہاں سے گیاؔ جاکر گوبند پنڈے سے ملے جو اسے پان سگریٹ کی دکان کھلوا دیں گے۔ وہ گیاؔ چلی آئی۔ پنڈے کو وہ جانتی تھی کہ وہ سال میں ایک

دو دفعہ متوفیہ کے ہاں آیا کرتا تھا۔ میکفرسن نے روپیہ جو اسے دے چکا تھا اس کی اور کپڑوں کی رسید اور رائے صاحب کے نام ایک خط لکھوا لیا اور کچھ میوہ دے کر اُسے رخصت کیا۔ شام کو پنڈا جی آئے مجسٹریٹ اس وقت بھی اسی طرح موجود تھا پنڈے کو میکفرسن نے دو سو روپے دیے اور پچھلے روپیہ کی بابت دریافت کیا اُس نے سارا حساب وہیں ایک کاغذ پر لکھ کر میکفرسن کو دے دیا قصہ مختصر ان دونوں ملاقاتوں کی روداد مجسٹریٹ لکھتا گیا اور اسے مکمل کر کے میکفرسن کو دے گیا اور میکفرسن پہلی ریل سے دہلی روانہ ہو گیا۔ رستہ سے اس نے دہلی کے ڈپٹی کمشنر کو تار دیا کہ ایک یوروپین مجسٹریٹ جو ہندوستانی اچھی جانتا ہو اس کے پاس میڈن ہوٹل بھیجا جائے دہلی پہنچ کر میکفرسن نے سب سے پہلے رائے صاحب کو ٹیلیفون پر کہا کہ وہ یورپ میں کئی ملکوں کے تاجروں کا ایجنٹ ہے اور رائے صاحب سے تھوک خرید کا معاملہ کرنا چاہتا ہے رائے صاحب نے خرید کی شرائط پوچھیں معاملہ کی تفصیلات کے طے کرنے کو وہ اُسی وقت ہوٹل میں آ گئے

رائے صاحب نے بڑی شیریں بیانی سے اپنے کارخانوں کی بنی ہوئی شکر کی تعریفیں شروع کیں، میکفرسن نے بہت کچھ سُن کر خشک لہجہ میں کہا کہ "شکر کا معاملہ تو ہوتا رہے گا پہلے ایک انسان کی جان کے بارے میں سچ سچ فرمائیں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کلب سے آئے اور چھوت کے راستہ سے اپنی بھاوج کے کمرے میں داخل ہوئے شکر کا شکاری چاقو آپ نے کئی دن پہلے چُرا رکھا تھا اس سے آپ نے اپنی بھاوج کو قتل کیا۔"

رائے صاحب (پھٹی آنکھوں سے) یہ آپ اچھی کہانی سنانے لگے، میں اپنی بھاوج کو کیوں قتل کرتا ؟

میکفرسن :- یوں کہ وہ ایک وصیّت میں تقریباً اپنی تمام جائداد خیرات میں دے دینا چاہتی تھی اس صورت میں آپ کے ہاتھ کچھ نہ آتا۔ خیر آپ سنتے جائیے۔ قتل بمبئی کی ٹرین کی آمد کے عین وقت پر ہوا تاکہ مقتول اگر غل مچائے تو سنائی نہ دے آپ ٹائم پیس میں جو تپائی سے نیچے گر کر بند ہو گیا تھا آگے کا غلط وقت

بناتے ہوئے برآمدے میں نکلے گلاب دیؒ نے آپ کو دیکھا آپ نے اسے اشارے سے بُلایا مختصر یہ کہ اس کو آپ نے گیاؔ روانہ کر دیا وہ وہاں گوبند پنڈے کی سرپرستی میں پانوں کی دُکان کرتی ہے یہ اس کا خط ہے آپ کے نام اور یہ اُس روپیہ کا حساب ہے جو آپ پنڈے کو بھیجتے رہے گلاب دیؒ اور گوبند پنڈا یہاں آنے والے ہیں۔

رائے صاحب نے گیاؔ کی دونوں تحریروں کو غور سے دیکھا وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ پڑیں اُن کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ گلا لگ گیا بڑی مشکل سے پانی مانگا۔ پانی حلق میں اٹکا جوں توں نگلا اور کہا:۔

"آپ چاہتے کیا ہیں؟

میکفرسن:۔ صرف یہ کہ سچ بات لکھ دیجیے۔ نیبی سنگر بے قصور ہے اور یہ کہ اس کا چاقو چُروایا گیا تھا۔

رائے لکھمیدا اس نے یہ لکھ دیا میکفرسن نے کہا۔ "یہ یہاں کے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہیں آپ کی

تحریر کی تصدیق کرتے ہیں۔"

رائے صاحب :- کوئی ہوں اور آپ بھی کوئی ہوں گے اب مجھے کیا حکم ہے؟

میکفرسن :- آپ اپنے گھر جا سکتے ہیں۔

لکھمیداس کے جانے کے بعد مجسٹریٹ نے میکفرسن سے گلہ آمیز لہجے میں کہا کہ "اس نے قتل کے ملزم کو ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں اس طرح جانے دیا، جانتے ہیں میری منصبی حیثیت پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ میکفرسن نے جواب دیا "جائیے اور ابھی اسے گرفتار کر لیجیے۔" پھاٹک سے باہر نہ نکلا ہوگا مجسٹریٹ لپکا ہوا پھاٹک پر پہنچا۔ وہاں اس نے یہ نظارہ دیکھا کہ رائے صاحب کی کار چور چور ہے وہ اور شوفر سخت زخمی ہیں معلوم ہوا کہ گورنر کی ایک کار مرڈ کار کنگس دے سے آرہی تھی ہوٹل سے موٹر اندھا دھند نکلی اور اس سے ٹکرائی میکفرسن بھی حادثہ کی جگہ آگیا تھا مجسٹریٹ نے پولیس کو بلوایا اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا کر لکھمیداس پر پہرہ لگا دیا۔ میکفرسن موہن لال کے ہاں پہنچے

سب حال سُنایا اور وہ دونوں تحریریں دکھائیں جو سنگیا سے لایا تھا اور کہا "میرے ساتھ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس چلیے کیونکہ میں اپنے دوست کے محکمے کی بدنامی بھی نہیں چاہتا۔"

ٹریجڈی میں کامیڈی

چنّی لال تمثیلی نوجوان تھا۔ تحصیل علم میں اُس کی تندہی اور ذکاوت اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہمیشہ اُونچی جگہ لے کر پاس ہوتا رہا۔ اب آنرز کے ساتھ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد قرار پایا کہ اُسے بیرسٹری کے لیے بھیجا جائے وہ کتاب کا کیڑا ہی نہ تھا بلکہ جمناسٹک اور کھیلوں کا مردِ میدان بھی تھا۔ طبیعت کا نہایت سادہ اور مزاج کا بہت سیدھا تھا۔

روانگی سے پہلے اس کے کئی دوستوں کے رشتہ داروں اور باپ کے دوستوں کے نام تعارفی خط لندن بھیج دیے گئے تھے۔ کچھ اُس کے ساتھ تھے ...... اسے لندن

پہنچے ہوئے دو دن ہوئے تھے اور وہ دو دن قانونی تعلیم گاہوں کے چکر، داخلہ اور لندن کا جو حصّہ اُس کی نظر کے سامنے سے گزرتا اُس سے ہیبت اندوز ہونے میں صرف ہوئے تھے۔ آج لندن میں اُسے تیسری شام تھی اور وہ گھر کو واپس آرہا تھا کہ راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا۔

جنّی پیدل پٹڑی پر خراماں آرہا تھا اور اِدھر اُدھر غور سے دیکھ رہا تھا کہ اُس نے اپنے بائیں طرف نظر ڈالی تو کھڑکی کے قدِ آدم شیشوں میں سے اُس نے دیکھا کہ ایک مرد ایک جوان عورت کو نیچے گرا کر اُس کے سینے پر خنجر تانے ہوئے ہے اُس کے تیور سے نمایاں تھا کہ وہ اُس لڑکی کو قتل کیا چاہتا ہے، جنّی مکان کے دروازے کی طرف فوراً جھپٹا۔ ڈیوڑھی کے دروازے پر ہاتھ ڈالا وہ مقفل نہ تھا۔ فوراً اُس کمرے میں آیا اور اُس مرد سے گتھم گتھا ہو گیا۔

....

صبح کے اخباروں میں یہ لہراتی سرخیاں نکلیں

"ایک ہندوستانی طالب علم کی بیجا بہادری۔" "قوت عمل جو ایک بہادر ہندوستانی کو غالباً مہنگی ثابت ہوگی۔" "قانونی طالب علم قانون کے پنجے میں۔" "ایمیچیو ایکٹروں پر حملہ۔" "ہندوستان گورے لہو کا پیاسا نہیں۔ ایک مسکت ثبوت۔" ...... عدالت کا کمرا لندن کے ہندوستانیوں۔ اینگلو انڈین کھوسٹوں۔ سٹیج کے ستاروں، اور پریس کے نمایندوں سے کھچا کھچ بھرا تھا...... استغاثہ کی کہانی یہ تھی کہ مسٹر رابنسن اپنی بہن مس روزا رابنسن کے ساتھ وہ پارٹ کر رہے تھے جو ویسٹ اینڈ ایمیچیور ڈریمیٹک کلب نے اپنے نئے ہونے والے ناٹک میں اُن کے نامزد کیا تھا کہ ملزم یکایک اندر گھس آیا اُس نے مس رابنسن کو گھسیٹا جس سے اُس کو بہت تکلیف ہوئی اور پھر وہ مسٹر رابنسن پر حملہ آور ہوا...... شہادت میں مس رابنسن اور گشت کی پولیس کا وہ کانسٹبل پیش ہوا جو اس ہنگامے کو باہر سے دیکھ کر عین اس وقت اندر آیا تھا جس وقت مستغیث اور ملزم جنگ میں مصروف تھے اور مس رابنسن ایک خنجر ہاتھ میں لیے ملزم کی پیٹھ پر چرکے دے رہی تھی۔ جس کی مرہم پٹی پولیس کے ڈاکٹر نے کی جب کہ

ملزم حراست میں لے لیا گیا۔ ملزم کے بیان کا خلاصہ یہ ہے :-

"میں اپنی قیام گاہ کو جا رہا تھا کہ میں نے ایک مکان کے شیشوں میں سے دیکھا کہ مستغیث نے اس لیڈی کو جو بطور گواہ کے پیش ہو چکی ہے دبا رکھا ہے اور اُس کے سینے میں کٹار بھونک دینے کو ہے اس لیڈی کی حفاظت اور جان بچانا اپنا فرض سمجھا اور میں ایک فوری جذبے سے مغلوب ہو کر مکان کے اندر چلا گیا ڈیوڑھی اور اندر کمرے کے دروازے صرف بھڑے ہوئے تھے یعنی نہ مقفّل تھے نہ بلیاں چڑھی تھیں۔ میں نے اندر جاتے ہی لیڈی کو مستغیث کے نیچے سے چھڑایا اور اُس کے ہاتھ سے خنجر چھین کر ایک طرف کو پھینک دیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مستغیث اور میں کتنی دیر تک لڑتے رہے۔ اتنے میں ایک پولیس کانسٹبل آیا۔"

عدالت ۔ جب تم نے اُس لیڈی کو آزاد کر دیا تھا اور تم مستغیث سے گتھم گتھا تھے تو کیا اور کسی نے تم پر پیچھے سے حملہ کیا۔ (حاضرین کی آنکھیں ملزم کے ہونٹوں پر چپک گئیں)۔

جواب ۔ اس کی بابت مجھے مطلق خبر نہیں۔ اس وقت میرا تمام ذہن اور میری ساری طاقت اس لیڈی کی حفاظت میں منہمک تھی اور جناب میری آنکھیں میرے ماتھے میں ہیں۔ گدی میں نہیں۔ (عام قہقہہ)

عدالت ۔ لیکن یہاں پولیس کے ڈاکٹر کا سارٹیفکٹ ہے جو بتاتا ہے کہ تمھاری پیٹھ پر چھرے کے زخم ہیں۔

جواب ۔ ممکن ہے کہ یہ زخم اُسی چھرے کے ہوں جو میں نے مستغیث کے ہاتھ سے چھینا تھا۔ ہم ایک جگہ تو ٹکے نہیں۔ کمرے بھر میں اِدھر اُدھر زیر و زبر ہو رہے تھے۔ عجب نہیں کہ میری پیٹھ کئی بار اُس چھرے سے لگی ہو اور اس نے اس گستاخی کی سزا مجھے دی ہو (معرفانہ قہقہہ)

مستغیث کے وکیل نے باوجود اُس کے اشارے کے اپنے لیکھے زبردست بحث کی اور زور دیا کہ مداخلتِ بیجا اور حملہ کے جرم میں ملزم کو سزا دی جائے۔ "یہ کالے لڑکے ہمارے ملک میں تعلیم پانے نہیں آتے بلکہ گویا اپنے مفتوحہ ملک کی سیر کو آتے ہیں۔ کرزن وائیلی ـــــــ

عدالت۔ آرڈر۔ آرڈر۔ مثل کے باہر جانا قانون دانی اور فصاحت نہیں کسی اور بات کا ثبوت ہے۔ ملزم لال! تمھاری بہادری انسانی ہمدردی کے ذکی احساس اور ارادے کی معصومیت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تمام دقت ایک غلط فہمی سے پیدا ہوئی جس کا شکار ہونا تمھارے لیے ناگزیر تھا۔ لہذا میں تم کو مداخلت بیجا اور حملے کے جرم سے بری کرنے کو تیار ہوں اگر مستغیث اس معاملے کو رفت وگزشت قرار دے۔ یہ اس وجہ سے کہ اس کو اور اس کی بہن کو جو پریشانی اس غیر معمولی واقعے سے ہوئی ہے وہ کئی دن تک اُن کے ریہرسل میں حارج ہوگی۔

علین اس وقت ایمیچیور ڈرمیٹک کلب کے منیجر نے مستغیث کے کان میں کچھ کہا اور وہ مسکرایا مستغیث کا وکیل کھڑے ہونے کو تھا کہ مستغیث نے اُسے بٹھادیا۔

مستغیث۔ میں سمجھتا ہوں کہ عدالت چاہتی ہے میں آخری گذارش کروں۔ عدالت کی کارروائی کے دوران میں مجھ پر اور میری بہن پر ظاہر ہوا اور یقین ہوگیا کہ کسی قسم کا جذبہ اور کیا ارادہ ملزم۔ ہمارے دوست کے

اس فعل کا محرک ہوا جو بنائے استغاثہ ہے۔ بیشک ہماری ناٹکی کنسرٹ میں ہرج ہوا ہے لیکن ہم اسے بھول جانے اور مسٹر لال سے ہاتھ ملانے کو تیار ہیں اگر وہ میری ایک درخواست منظور کرے ــــ

عدالت۔ کیا؟

مستغیث (تبسم سے) وہ میں بعد میں مسٹر لال کو بتاؤں گا جسے امید ہے مسٹر لال منظور کریگا کیونکہ اس کا اخلاقی معیار بہت اونچا معلوم ہوتا ہے۔

عدالت۔ ملزم بے قصور ثابت ہو کر عزت کے ساتھ بری کیا جاتا ہے۔

یہ لفظ میجسٹریٹ کی زبان سے پورے نہ نکلے تھے کہ اینگلو انڈین حضرات جن کے خون میں ابھی تک ہندوستان کا نمک سرگرداں تھا جبین بجبیں ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مٹھیاں بھینچ کر انگوٹھے واسکٹ کی جیبوں میں ٹھونسے ہوئے عدالت کے کمرے سے باہر نکل گئے۔

لندن ۔ بھوری یا سفید روٹی ۔ آلو یا مٹن چاپ یا ہندو مسلم کے ممنوع ماکول پر نہیں جیتا اُس کی غذائے روح یا غذائے ذہن سنسنی ہے ۔ رابنسن بھائی بہن اور چنی لال عدالت کے کمرے میں داخل ہونے سے پیشتر ہی کئی دفعہ 'شوٹ' ہو چکے تھے ۔ اور اب کہ چنی لال ایک ہاتھ میں مسٹر رابنسن اور ایک میں مس رابنسن کا ہاتھ لے کر عدالت کے کمرے سے نکلا تو ہر طرف سے کوڈک کیمروں کا ہدف ہو گیا ۔ اُسی شام اور اگلی صبح کے اخباروں میں عجیب و غریب عنوانوں کے تحت ان سے زیادہ عجیب و غریب مضمون نکلے ۔ "وہ جنگ بھلی جو معزز صلح پر ختم ہو ۔" "مشرق، مغرب کی کماری کی حفاظت میں ماخوذ ۔" "ایک فوجداری مقدمہ کا ڈرامیٹک خاتمہ ۔" "ٹریجڈی کی کامیڈی ۔" "ہندوستانی نے قرون وسطیٰ کی جوانمردی کے فسانے تازہ کر دیے ۔" وغیرہ وغیرہ ۔ مقالوں میں چنی لال کو کسی نے "مہاتما گاندھی کا خاص چیلا"، کسی نے "مسٹر جناح اور مسٹر محمد علی کا قریبی رشتہ دار" اور کسی نے "انڈین کانگرس کے پریسیڈنٹ کا چھوٹا بھائی"

لکھا......

جب وہ تینوں عدالت کے کمرے کے باہر کی بھیڑ سے جوں توں پیچھا چھڑا کر ایک ناشتہ خانہ میں پہنچے تو سابق ملزم کو اُس اخلاقی شرط کا حال کھلا جس کا حوالہ عدالت میں دیا گیا تھا۔

رابنسن۔ شرط ورط کچھ نہیں تھی سنیے۔ اب تو ہم دوست ہیں نا۔

لال۔ بیشک۔

رابنسن۔ بات یہ ہے کہ ہمارا کلب ایک ایشیائی ناٹک کی نمائش کی تیاری کر رہا ہے۔ ہماری فہرست میں بادشاہ کی جگہ خالی ہے۔ اسے آپ زینت بخشیے۔ یہ ہے درخواست۔

لال۔ میں نے تو اپنے کالج کے ناٹکوں میں بھی کبھی حصّہ نہیں لیا۔ مجھے خوف ہے کہ میری شرکت سے آپ کا کھیل بگڑ جائیگا۔

رابنسن۔ یہ خوف ضرور غلط ثابت ہوگا۔ آپ کا بہت تھوڑا کام ہوگا اور وہ بھی روزا کے ساتھ۔

ضروری ہدایتیں وہ آپ کو دیگی۔

روزا۔ (تبسّم) آپ اُس شام کو ایسا نفیس ایکٹ کر چکے ہیں کہ میں سمجھتی ہوں آپ کو زیادہ زحمت نہیں اُٹھانی ہوگی۔

لال۔ سوچ لیجئے۔ شاگردی سے استادی زیادہ زحمت کا کام ہے۔

روزا۔ یہ درخواست ہماری آپ کو ماننی ہوگی۔

لال۔ اس میں عذر نہیں۔ میں بہ سر و چشم حاضر ہوں۔ خوف یہی تھا اور ہے کہ میری وجہ سے آپ کے کلب کی بدنامی نہ ہو۔

....

روزا۔ مسٹر لال اب کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں۔ آج کا ریہرسل نہایت اطمینان بخش ہوا۔ مینیجر نے تم کو پاس کر دیا۔

لال۔ میں خوش ہونگا اگر تماشے کی رات کو ہوس بھی پاس کر دے لیکن روزا۔ معاف کیجیے گا۔

مس رابنسن یہ کھیل کب تک چلیگا۔

روزا۔ (مسکراکر) اس سے مطلب؟

لال۔ ـــــ کچھ نہیں۔ میرا خیال اور کسی طرف تھا۔

روزا۔ (بناوٹی سنجیدگی سے) تم جانتے ہو یہ کونسا کمرہ ہے۔ اُس شام تو میری چھری تمھارے جسم سے فقط چھوئی تھی۔ (ہنسی نکل جاتی ہے) آج میرے پاس پستول ہے۔ جو ابھی ریہرسل میں تھا۔ کہو۔ کہونا۔ کیا کہنے کو تھے۔

لال۔ اگر میں وہ سب کچھ کہوں جو میرے دل میں ہے تو تم کو رنج ہوگا۔ غصہ آئیگا۔ اور میں تمھاری صورت دیکھنے کو بھی ترسوں گا۔

روزا۔ اوہ۔ میرے پیارے دوست۔ ایسا نہیں ہوگا۔

لال۔ ایک کہانی اس وقت میرے ذہن پر چھائی ہوئی ہے۔ اُسے غور سے سُن لیجیے۔ ....

روزا۔ یہ کوئی سوال نہیں کہ وہ اب کیا

کرے۔ وہ اُس سے اپنے دل کی حالت ظاہر کرے جسے وہ پیار کرتا ہے۔

....

لال۔ اوہ پیاری روزا۔ تو کتنی اچھی ہے۔ مگر میں اس محبّت بھرے دل کے سوا اور کچھ پیش نہیں کرسکتا۔ نہیں ـــــ

روزا۔ پیارے جیؔ۔ میں جانتی ہوں جو تم کہنے کو ہو۔ میں سمجھتی تھی کہ ایشیا کے مرد ہمارے مردوں کی طرح خواہ مخواہ مغرور نہیں ہوا کرتے۔ مگر دنیا سب جگہ ایک ہی سی ہے جہاں ہم پہنچ گئے ہیں وہاں میرا تیرا باقی نہیں رہنا چاہیے (مسکراکر) مگر مرد آخر مرد ہی ہے۔ وہ اسے غیور مزاجی سمجھے بیٹھا ہے۔ روپیہ کی فکر نہیں۔ یہ بیچ کے حلقے کی حقیقت ہوگی کہ شادی بوسوں سے شروع ہوکر مکھن روٹی پر ختم ہوتی ہے ـــــ تم یہی کہنے کو تھے نا کہ ہمیں کچھ مدّت انتظار کرنا ہوگا۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ اگر تمھاری یہی ضد ہے۔

———...✻...———

برفستان کا ایک واقعہ

(۱)

بجے سنگھ۔ لکھن سنگھ۔ آخر یہ جنگلی کہاں غائب ہوگیا!

لکھن سنگھ۔ مہاراج جانور کا کیا ہے۔ اِدھر اُدھر بھٹک گیا ہوگا۔ جو آدمی بھیجے تھے خالی لوٹ آئے۔ آپ نے اس طرف دوبارہ آنے کی تکلیف ناحق کی۔ کتّے کے لیے اتنی تگ و دو کیا۔ اور اتنے کتّے اپنی گڑھی میں ہیں!

بجے (چیں بہ جبیں ہوکر) ارے تم اس کی قدر کیا جانو۔ بھول گئے اُس نے پچھلے سے میری جان بچائی

تھی۔ اس دن۔ خیر جب تک وہ نہ مل جائے میں کشمیر سے نہ جاؤں گا۔ سامان سب سویرے ہی چلا گیا تھا؟ اپنے آدمیوں کو تاکید کردی تھی نا۔ کہ سب کو ہانکے چلیں۔ یہ لوگ بڑے سست ہوتے ہیں۔

مکھن۔ سامان اِس وقت پر پہنچ گیا ہوگا۔

اتنے میں ٹھاکر بجے سنگھ اور مکھن سنگھ ایک جگہ چشمے پر اپنے گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے رُکے۔ بجے سنگھ کو پاس کی خفیف کیچڑ میں کسی کتے کے پاؤں کے نشان نظر آئے۔

بجے۔ مکھوا! دیکھو تو یہ کس جانور کے پنجے کے نشان ہیں؟

مکھن (غور سے دیکھ کر) کتے کے سے دکھائی دیتے ہیں مہاراج۔

بجے۔ مجھے تو اپنے جنگی کے سے معلوم ہوتے ہیں۔

مکھن سنگھ ایک طرف کو منہ کر کے مسکرایا اور بڑبڑایا۔ دو رنواس نہیں بساتے تو اب کتے بلیوں ہی سے پریم اور برہ کا راگ چلے گا۔

بجے۔ اُس دن بھگیلے کی لڑائی میں جنگی کا

ایک پاؤں زخمی ہوگیا تھا۔ نا۔ وہ ذرا چھوٹا رہ گیا۔ دیکھو۔ دیکھو ایک پاؤں پورا نہیں ٹکتا زمین پر۔ یہ نشان اس وجہ سے اوچھا پڑا ہے۔ اتنا گہرا نہیں جتنے اور ہیں۔ سراغ بھی تو اُدھر ہی کو جاتا ہے۔ جدھر ہمیں جانا ہے ہم چلتے ہیں۔ تم جلدی نہ کرو اور پیر کو دیکھتے ہوئے آؤ۔ سمجھے!

یہ کہہ کر بچے سنگھ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ بہت دُور نہ گیا تھا کہ اُسے ایک نوجوان ہندوستانی لیڈی گھوڑے پر سوار جاتی نظر آئی۔ اس کے ساتھ ایک کتا تھا۔ اور آگے کچھ فاصلہ پر کئی سوار اور پیدل جا رہے تھے جو اس کے ساتھی معلوم ہوتے تھے۔ بچے نے گھوڑا اور تیز کیا۔

(۲)

بچے۔ او جنگی ڈیر۔ تُو کہاں گھومتا پھرتا ہے!

وہ کُتا جنگی ہی تھا بچے سنگھ کو دیکھتے ہی وہ دُم ہلاتا لپک کر بچے کے پاس آگیا۔ اُس نے ایک طرف کو جُھک کر ہاتھ لٹکایا اور کتے کو اٹھا کر اپنے آگے بٹھا لیا اور پیار کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر اُس لیڈی کی تیوری پر

بل پڑ گئے۔ اُس نے کتّے کو بلایا۔ کتا مچل کر بچے کی گود سے اچھل کر دونوں گھوڑوں کے بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ اور کبھی اِدھر کبھی اُدھر دیکھتا اور اپنے بدن کو دوہرا کر کے دُم ہلاتا رہا.....

بچے۔ یہ کتّا میرا ہے۔ آپ نے اسے کہاں پایا؟

لیڈی۔ یہ کتّا میرا ہے۔ یہ بتانا میرے لیے لازمی نہیں کہ میں نے اسے کہاں پایا؟

بچے۔ (تیوری چڑھا کر) میں کہتا ہوں یہ کتّا میرا ہے!

لیڈی۔ (کرارے لہجے میں) میں کہتی ہوں کہ یہ کتّا آپ کو نہیں مل سکتا!

بچے۔ خوب۔ چوری اور سینہ زوری!

لیڈی۔ میں اگر چور ہوں تو آپ ڈاکو ہیں۔ زبان کو لگام دیجیے۔ یاد رکھیے آپ نے ایک چھتراِنی سے یہ کلمے کہے ہیں کسی بھیلنی یا گونڈ کی بیٹی سے نہیں!

یہ لفظ ایسے بارعب اور جذبے کے لہجے میں

کہے گئے تھے کہ سارے کوہستان میں گونج اُٹھے۔ اب تک بجے سنگھ کی آنکھیں کتے پر لگی ہوئی تھیں۔ اب اُس نے گردن اُٹھا کر اپنے حریف کی طرف دیکھا۔ حسین چہرہ مارے غصے کے تمتمایا ہوا تھا۔ اُس کے کنول کی پنکھڑی جیسے ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ پوشاک سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ نازنین ٹھاکرہ خاتون ہے۔ کمر سے ایک طرف سروہی لٹک رہی تھی اور دوسری طرف پٹکے میں بوندی کی کٹاری لگی تھی۔ بجے نے اپنے متقابل کو غور سے دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔

بجے۔ معزز لیڈی! مجھے معاف کرنا کہ طیش کی حالت میں وہ نا ملائم الفاظ میری زبان سے نکل گئے جو نہ نکلنے چاہئیں تھے۔ آپ کو ضرور رنج پہنچا ہوگا۔ اس کے لیے مجھے ندامت ہے۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ یہ کتا دراصل میرا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔

عین اُس وقت اس خاتون کے ہمراہی جو آگے جا رہے تھے لوٹ کر اس واردات کے موقع پر آ پہنچے۔ اُن میں ایک بزرگ ٹھاکر دھنراج سنگھ راجپوت تھا۔ جو سالارِ قافلہ کی شان رکھتا تھا۔ اُس نے ان دونوں جھگڑنے والوں کو

غور سے دیکھا اور کہا۔ "بیٹا روپا! کیا بات ہے۔ تو خفا کس بات پر ہو رہی ہے؟

رُوپ کماری۔ باپو جی میں ان سے (بنجے کی طرف اشارہ) نپٹ لینے کو کافی ہوں۔

بنجے (بات کاٹ کر) میں عرض کرتا ہوں۔ یہ کتا میں نے پالا ہے۔ اب کئی دن سے گم ہو گیا تھا۔ میں نے کئی آدمی ڈھونڈنے کے لیے بھیجے ــــ

دھنراج۔ کئی دن ہوئے ہمارے کیمپ میں بھی ایک آدمی کتے کی تلاش میں آیا تھا۔

بنجے۔ ابھی ابھی مجھے یہ کتا یہاں دکھائی دیا۔ میں اسے بہت چاہتا ہوں۔ دیکھیے۔ جنگی۔ کم ہیر (کتا دم ہلاتا اُس کے پاس آگیا۔)

رُوپ۔ اور مجھے بھی اس سے محبت ہو گئی ہے۔ میں اسے ہرگز نہ دوں گی۔ جنگی۔ ہیر۔ ہیر! (کتا اُس کے پاس چلا گیا مگر بنجے کی طرف منہ کر کے دم ہلاتا رہا۔)

یہ منظر ہر دیکھنے والے کے لیے نہایت دلکش تھا اور ٹھاکر دھنراج سنگھ کے لیے نہایت ہی مسرور کرنے والا

تھا۔ وہ مسکرایا۔ قریب آکر بیٹی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
دھنراج۔ تُو تو بڑی ضدّن ہے۔ غصّہ کس بات کا۔ ایسا ہی ہے تو ہم اِن سے یہ کتّا مانگ لیں گے۔ کیا حرج ہے؟

بجے۔ مگر مجھے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سارا جھگڑا اس کتّے ہی کا ہے یا کسی اور بات کا؟

روپ۔ کتّے کا ہی تو۔ اور کس کا۔

بجے۔ (دھنراج کی طرف دیکھ کر) تو یہ کتا یہیں رہے گا۔ اجازت دیجیے کہ اب میں اپنے مقام پر جاؤں کیونکہ ڈاکو کا بھلے مانسوں میں کیا کام (لکھن سنگھ سے جو اس وقت وہاں پہنچ گیا تھا) دیکھو لکھن سنگھ! کتا یہیں ان کے پاس رہے گا۔ اسے تم روکنا اگر ہمارا پیچھا کرے (کتا بجے کی طرف آنے لگا) نہیں۔ جنگی وہاں۔ اُدھر (چابک اُٹھا کر) اُس گھوڑے کے ساتھ جاؤ۔

(۳۴)

بجے۔ ہاں سب ٹھیک ہے۔ خانساماں! مہینہ شروع ہو گیا ہے۔ کیا تمھارے ہاں دو ہی کمرے ہیں۔

خانساماں ۔ حضور! اِدھر اب صاحب لوگ کم آیا کرتے ہیں ۔ پاس ہی جنگلات کا بنگلہ ہے ۔ وہاں بھی ٹھہر جاتے ہیں ۔

نجے ۔ مینہ خوب زور کا ہے ۔ اس کمرے کی چھت تو نہیں ٹپکتی ۔ خیمے ہمارے آدمیوں نے لگا دیئے؟ یا نہیں اگر لگا دیئے ہوں تو ہم وہاں چلے جائیں ۔

خانساماں ۔ نہیں حضور ۔ یہ چھتیں نہیں ٹپکا کرتیں ۔ آپ بے فکر رہیں ۔

اتنے میں دوسرا قافلہ پانی میں شرابور آتا دکھائی دیا ۔ مکھن سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا ۔

مکھن ۔ مہاراج تو خوب وقت پر پہنچ گئے ۔ مگر اُن لوگوں کا حال بہت خراب ہے ۔ اُن کے سامان والے ابھی تک نہیں آئے ۔ اُن کے بعد روانہ ہوئے تھے ۔

نجے ۔ یہ اُن کی اپنی غلطی ہے ۔ سامان ہمیشہ پہلے بہت پہلے بھیج دینا چاہیے ۔ اب وہ لوگ آج نہیں پہنچیں گے ۔ مینہ شروع ہونے پر جہاں ہوں گے وہیں ٹھہر گئے ہوں گے ۔ یہ ان کی عادت ہے ۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ٹھاکر دھنراج سنگھ کی پارٹی بھی آپہنچی۔ وہ برآمدے میں کھڑے تھے۔ اور خانساماں جواب میں کہہ رہا تھا۔ ایک کمرے میں ایک صاحب ہیں اور دوسرا کمرہ انجنیر صاحب کے حکم کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ ٹھاکر دھنراج سنگھ اور روپ کماری سکتے کے سے عالم میں کھڑے تھے۔ جنگی کانپ رہا تھا اور کماری کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر نجے سنگھ برآمدے میں آگیا اور ان سے مخاطب ہو کر بولا۔

نجے۔ آپ اس کمرے میں تشریف رکھیں۔ میں اپنے ڈیرے میں چلا جاتا ہوں۔ آپ تکلف سے کام نہ لیں۔ مجھے آپ کی وجہ سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوگی۔

دھنراج۔ یہ آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ میں اکیلا ہوتا تو آپ کی یہ دعوت قبول کرنے میں بے حد تامل ہوتا لیکن اس وقت ــــــ

نجے۔ (مسکرا کر) یہ کوئی بات نہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔ اور چھوٹوں کا فرض ہے کہ بڑوں کی خدمت کریں۔ (مکھن سنگھ سے) نکھوا ہم ڈیرے میں رہیں گے۔

ہمارا فالتو سامان کھانے کے کمرے میں رکھوا دو۔ اور تم بھی وہیں چلو۔ اور دیکھو بخاری خوب روشن کردو۔ رات بھر کے لیے۔ ٹھاکر صاحب! آپ کو جس شے کی ضرورت ہو مجھے کہلوا بھیجیے۔ کچھ نئے خریدے ہوئے دُھسے وغیرہ میرے ساتھ ہیں۔ آپ بے تامل اُنہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا۔ کہ آپ کے کھانے کا انتظام کروں۔ سرِ دست کافی بھیجتا ہوں وہ نوش فرمائیے۔

(۴)

نجے سنگھ وغیرہ چلے گئے۔ تو دھنراج سنگھ اپنے آدمیوں سے باتیں کرنے لگا۔

دھنراج۔ یہ ہمارے میزبان آخر کون ہیں۔ معلوم تو ہوتے ہیں راجپوت۔ رات کا کانسا تو جیسے جھو منتر سے تیار کیا تھا۔

فتح۔ ان داتا کانسے کی بات یہ ہے کہ رسد تو ان کے ساتھ تھی ہی۔ ان کے ساتھ کے آدمی رستے میں ایک پاڑھا شکار کر لائے۔ اُس کے کباب اُنھوں نے آپ پکائے اور باقی سب آدمی پکانے میں لگ گئے۔

جبھی تو دو گھنٹے میں اتنی چیزیں بن گئیں۔ یہ باگھپورے کے ٹھاکر ہیں۔

دھنراج۔ باگھپورے کے! ٹھاکر!

فتح۔ جی ہاں۔ خالص سسودیہ۔ باپ ان کے انھیں بچہ چھوڑ کر پورے ہو گئے تھے۔ برسوں کورٹ رہا۔ ولایت بھی ہو آئے ہیں۔ انگریزوں میں ملنا جلنا بہت ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ اپنی راجپوتی شان نہیں چھوڑی۔

دھنراج۔ یہی تو میں حیران ہوں۔

فتح۔ جی ہاں۔ میں نے اِن کا سب پتا لگا لیا ہے۔ ابھی بیاہ نہیں ہوا ہے۔ وہ بائی بڑے بھاگ والی ہوگی۔ جس کا یہ راڈلا (شوہر) بنیں۔

دھنراج۔ ارے تُو بڑا ہشیار ہے۔ میں تیرا اشارہ سمجھا۔ مگر ہمارے اور اُن کے بڑوں کی کئی بار تلوار چل چکی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

فتح۔ ان داتا! یہ اگلے وقتوں کی باتیں ہیں۔ صاحب مالک ہیں۔ منہ پھوڑ کر کہتا ہوں کہ یہ برگنوانے

لایق نہیں۔

....

اُدھر بجے سنگھ اور مکھن سنگھ میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔

بجے۔ اچھا! یہ ہیں راجپورے کے ٹھاکر۔

مکھن۔ جی ہاں۔

بجے۔ ہیں تو بڈھے آدمی۔ مگر بائی کو اُنھوں نے خوب آزادی دے رکھی ہے۔

مکھن۔ یہ ہُوا یُوں کہ پہلے تو ان کا ٹھکانہ مرہٹواڑی سے ملتا ہے اور مرہٹوں کے ہاں ایسا پردہ نہیں جیسا ہمارے ہاں۔ اور پھر یہ کہ اُن کا ایک بیٹا تھا۔ وہ مرگیا تو یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کاشی چلے گئے۔ انتظام رزیڈنٹ کو سونپ گئے۔ اُس کی نگرانی میں بائی کی تربیت ہوئی وہ انگریزی خوب جانتی ہے۔ اب بیٹی باپ کو کاشی جی سے کھینچ لائی۔ بائی کی ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی ہے۔

بجے۔ ہُوں۔ پھر۔ تمھیں اس سے غرض ؟

مکھن۔ مہاراج۔ بات یہ ہے کہ یہ بائی جی

ہیں آپ کے رنواس کے لایق۔

نبجے۔ مکھوا! تم بڑے بھولے ہو۔ (تبسّم) یہ جنون کا اثر تمھارے دماغ پر بھی ہوا۔ ہمارے اور اِن کے بڑوں کی لڑائیاں ہوچکی ہیں۔ بوڑھے ٹھاکر یہ رشتہ کبھی نہ کریں گے۔

مکھّن۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ جوڑا پرمیشر نے ملانے کی ٹھان لی ہے۔ ضرور بھگوان کی مرضی یہی ہے۔ جو آپ کا ان کا یہاں میل ہوا۔

(۵)

دھنراج۔ ہم لوگوں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔ میں نہایت شرمندہ اور شکرگزار ہوں۔

نبجے۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔ چھتری بنس کے سرد منی۔ آپ کی خدمت میرا فرض ہے۔ مجھے تو یہ افسوس ہے کہ آپ کے آرام کا انتظام خاطر خواہ نہ ہوسکا۔ میرا بہت سا سامان بارہ مولہ پہنچ چکا ہے۔ اِدھر تو میں کتے کی تلاش میں چلا آیا تھا۔ ورنہ اس موسم میں اس طرف کوئی نہیں آتا۔

دھنراج - مجھ سے بھی یہی کہا گیا تھا - مگر لڑکی نے ضد کی کہ میں تو برف دیکھوں گی - اس لیے ادھر چلا آیا -

بچے - اور واقعی برف کے پہاڑ یہاں سے بہت دور نہیں -

دھنراج - اچھا مجھے یہ معلوم نہ تھا - کتنی دور ہوں گے یہاں سے ؟

بچے - کل جہاں ہم پہنچیں گے وہاں سے برف کی چوٹیاں آپ کو نظر آنے لگیں گی - (اُٹھ کر کھڑکی میں سے باہر کو دیکھ کر اور پھر اپنی جگہ آ کر) میرا تو خیال ہے اب برف پڑنے میں زیادہ دیر نہیں -

دھنراج - آپ یہاں کے موسم سے خوب واقف معلوم ہوتے ہیں -

بچے - میں اس علاقہ میں گزشتہ سال بھی آیا تھا -

دھنراج - تو مہربانی سے آپ ہی اُس کے ساتھ جا کر برف دکھا لائیے - مجھے ڈاکٹروں نے پہاڑ پر

چڑھنے سے منع کیا ہوا ہے۔
نبجے۔ میں حاضر ہوں۔ برف کا عجیب منظر ہوتا ہے۔ خاص کر سورج نکلنے اور چھپنے کے وقت۔
دھنراج۔ شکریہ! آپ حیران ہوں گے کہ میں کیسا راجپوت اور بوڑھا آدمی ہوں کہ بائی کھلی پھرتی ہے۔ بھائی (آہ بھر کر) یہ میرا بچّہ ــــ
نبجے۔ آپ اپنا جی بُرا نہ کریں۔ مجھے سب معلوم ہوگیا ہے۔ پرمیشر کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں۔
دھنراج۔ اب یہی میری بیٹی ہے اور یہی میرا بیٹا۔ میں اس کا دل نہیں توڑ سکتا۔ آپ اِسے برف دکھالائیے۔
نبجے۔ عرض تو کیا میں حاضر ہوں۔ جہاں تک گھوڑا جاسکتا ہے آپ بھی تشریف لے چلیں۔
دھنراج۔ دیکھوں گا۔ لڑکی سے آپ کی گفتگو کیا (تبسّم) خاصی لڑائی ہوچکی ہے۔ اُس کا مزاج اُن میموں نے بگاڑ دیا۔
نبجے۔ اوہ۔ وہ کچھ بات نہ تھی۔

دھنراج۔ میں اُس سے پوچھتا ہوں کہ برف دیکھنے کب جائے گی۔ روپا! (روپ کماری آتی ہے) لو بھئی تمھارے برف دیکھنے کا انتظام ہو گیا۔ یہ ہمارے میزبان ٹھاکر بیجے سنگھ جی پاگھپورھ والے اس علاقہ سے واقف ہیں۔ یہ تمھارے ساتھ جائیں گے۔

رُوپ (بیجے کی طرف دیکھ کر) تو کل صبح ہی کیوں نہ چلیں؟

بیجے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارا پروگرام موسم کے تابع ہے۔

(۶)

کئی دن موسم نے برفستان تک جانے کی اجازت نہ دی۔ اِن دنوں میں بیجے اور روپ اکثر اکٹھے رہتے۔ گفتگو کا مضمون یخ یا برف کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ روپ کو اس دن کا بے تابی سے انتظار تھا کہ موسم موافق ہو۔ آخر وہ دن آ گیا۔

بیجے۔ ٹھاکر صاحب! یہ دوربین لیجیے۔ اس کی مدد سے آپ ہم کو اچھی طرح دیکھ سکیں گے۔ لیکن پہلے یہ

رنگین عینک لگا لیجیے گا۔ ورنہ برف کی چمک آنکھوں کو تکلیف دے گی۔

....

نبجے۔ بائی جی! کیا آپ ادھر تشریف لائیں گی۔ میں یہ برف کا جوتا آپ کو پہنا دوں۔ نئی برف پر اس کے بغیر چلنا ٹھیک نہیں۔

روپ۔ آپ تو برف کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ اور پڑھے لکھے بھی۔

نبجے (جوتا پاؤں پر باندھ کر) مجھے یہاں کا اور اور سوئٹزرلینڈ ....

کا کچھ تجربہ ہے ــــ بائی جی! یہ آپ کدھر جا رہی ہیں۔ گڑھے میں ڈوبنے سے یہ جوتا نہیں بچائے گا۔ ٹھاکر صاحب نے مجھے آپ کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

روپ (مسکراتے ہوئے اور گردن جھکا کر) اور میں اپنے تئیں آپ کے سپرد کرتی ہوں۔

نبجے۔ شکریہ ــ نکھوا۔ یہ کیوں اٹھا لائے۔ کس نے کہا تھا؟

مکھّن۔ اور چیزوں کے ساتھ آ گیا۔
روپ (جھک کر دیکھتی ہے) کیا ہے۔ کیا چیز ہے یہ؟
مکھن۔ مہاراج یہ برف کا کھٹولا سمجھیے! اس پر بیٹھ کر اونچائی سے برف پر پھسلتے ہیں۔
روپ (بچے کی طرف دیکھ کر) یہ تو بہت ضروری چیز ہے۔ برف کا لطف کیا جب تک اس پر سے پھسلیں نہیں۔
بچے۔ اور پھسلنے کا لطف کیا جب تک سر کے بل نیچے نہ آئیں۔ مکھوا۔ یہ اُٹھاؤ اور اُدھر سب آدمیوں کے پاس ٹھہرو۔
روپ۔ یہ آپ نے کیوں بھیج دیا۔
بچے۔ اس میں بہت خطرہ ہے۔ اول تو اپنا وزن قایم رکھنا بہت مشکل ہے۔
روپ۔ جو شخص گھوڑے اور بائیسکل پر اپنا وزن قایم رکھ سکتا ہو اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں۔
بچے۔ اور دوسرے اس کے لیے یہ جگہ مناسب

نہیں۔ دیکھیے اُدھر ڈھلوان برائے نام ہے اور درختوں کی جڑیں نکلی ہوئی ہیں۔

روپ۔ میں تو برف پر سے ضرور پھسلوں گی۔ آپ نہ چلنا چاہیں، نہ چلیں۔

بچے۔ بائی جی! یہ بات نہیں۔ مجھے آپ کا خیال ہے (ذرا تیزی سے) اس میں یقیناً خطرہ ہے!

روپ۔ سمجھ لیجیے۔ مجھے اپنی جان عزیز نہیں۔

بچے۔ آپ کو نہ ہوگی۔ مجھے تو ہے۔ آپ کی جان۔

روپ۔ تو آپ نہ چلیں۔ میری جان اتنی مہنگی نہیں ہے۔

دونوں کھل کھلا کر ہنستے ہیں۔

بچے۔ اگر مناسب موقع ہاتھ آیا تو پھسلنے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ مگر اس وقت تو آپ کو میرے کہنے پر چلنا ہوگا۔

روپ (آنکھیں بند کر کے) جناب!

مگر آنکھیں بند کر کے کیا وہ آنکھیں کھول کر بھی بچے کے کہنے پر نہ چلی۔ اب وہ دُور نکل گئے تھے اور بہت

دیر تک تازہ برف پر اِدھر اُدھر ٹہلتے اور برف کی مورتیں بناتے رہے کہ روپ کماری یکایک بیٹھ کر اپنے جوتے کے تسمے کھولنے لگی۔

بنجے۔ یہ نہ کیجیے۔ اس کے بغیر آپ برف میں اس طرح دھنس جائیں گی جیسے دلدل میں۔

روپ (مُنہ بنا کر) اس پر برف آجاتی ہے اور یہ بوجھل ہوجاتا ہے۔ پاؤں اٹھانا دوبھر ہے۔

بنجے۔ یہ اس لیے کہ آپ ٹھیک نہیں چلتیں۔ دیکھیے! میرے جُوتے پر تو نام کو برف نہیں۔

روپ۔ نہیں ہوگی۔ میں تو اسے اُتار پھینکوں گی۔ دیکھیے اُدھر برف جم گئی ہے۔ درخت ہیں کھڑے ہیں وہاں جانا چاہیے۔

بنجے۔ ہرگز نہیں۔ منظر تو بیشک دلفریب ہے۔ مگر جہاں جانا ہے وہ جگہ نہایت خطرناک ہے۔ اور (بیچے آنکھیں گڑا کر) مجھے یہاں بھالو کے پاؤں کے نشان معلوم ہوتے ہیں۔

روپ۔ یہ تو آپ مجھے ڈراتے ہیں۔ اور اگر

وہ مل بھی گیا تو میرا مدت کا شوق پورا ہو گا۔ ہماری طرف ریچھ نہیں ہوتا۔ یہ ریوالور اور کارتوس کس کام آئیں گے۔
نبجے پہلے گہرے غوطے میں گیا۔ کچھ کہنے کو تھا کہ

روپ بولی۔

روپ۔ آپ کو اپنا خیال نہیں ہے تو یہ رائفل کیوں کندھے پر لادی ہوئی ہے۔
نبجے۔ آپ کی اور اپنی حفاظت کی غرض سے جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا بہادری نہیں۔
روپ۔ ہو یا نہ ہو۔ میں تو کھڈ کا منظر ضرور دیکھوں گی۔ سبزے سے وہ نالا کیا آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔
روپ نبجے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں اونچی کر کے لجاجت سے بولی۔

روپ۔ کیا تم مجھے ایسے دلفریب سین سے محروم رکھو گے۔ میں ریگستان اور خشک پہاڑوں کی رہنے والی! مجھے ایسے منظر سپنے میں بھی نصیب نہیں۔ تم بڑے بے رحم ہو۔

بچے کی آنکھیں روپ کی آنکھوں میں پڑ گئیں۔ اُس نے ایک ہاتھ روپ کے ہاتھ پر رکھا جو اُس کے شانے پر تھا اور دوسرے ہاتھ میں اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ لے کر بولا۔

بچے :۔ میں بے رحم نہیں۔ میں جو کچھ ہوں اُس کے اظہار کا یہ موقع نہیں۔ رُوپ ـــــ روپ کماری بائی جی میں آپ کی دل شکنی نہیں کر سکتا۔

روپ (اُچھل کر) اوہ تم کتنے اچھے ہو۔ وہ وہ جو دو چار ٹھنٹھ ہیں نا۔ دیکھیں وہاں پہلے کون پہنچتا ہے۔ وہاں سے کھڈ کے رستے کا فیصلہ کریں گے۔ پہلے میں آدھی دور پہنچ جاؤں پھر تم قدم اُٹھانا۔

یہ کہتی ہوئی روپ اُدھر کو چل دی جدھر اشارہ کیا تھا۔ وہ اس جگہ کے قریب پہنچنے کو تھی کہ ٹھنٹھ کے پیچھے سے یکایک ایک بڑا ریچھ نکل کر روپ کماری پر حملہ آور ہوا۔ بچے سنگھ بے تحاشا اُس کی طرف جھپٹا۔ اور اُس سے پہلے کہ ریچھ روپ کو کچھ نقصان پہنچاتا اُس نے ریچھ کی دم کی جڑ کے نیچے بڑے زور سے لات ماری اور پوری طاقت سے اُس کے دونوں ہاتھ روپ کے جسم سے

الگ کیے۔ اب ریچھ جھلّا کر اُس کی طرف پلٹا اور نہایت
غیظ و غضب میں اُس سے لپٹ گیا۔ بجے نے کمر سے خنجر
نکال کر ایک وار کیا۔ مگر وہ اوچھا پڑا۔ ریچھ کا غصّہ
اور بھڑکا اور اب وہ دونوں اس طرح گتھم گتھا ہو گئے۔
جیسے دو پہلوان کشتی لڑ رہے ہوں۔

روپ کے چوٹ کچھ نہیں آئی۔ اب اُس کے
حواس بھی بحال تھے۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ریوالور
داغ دیا۔ اُس چپقلش میں نشانہ خطا کرنا ہی تھا۔ بجے
کی ٹانگ زخمی ہوئی۔ نیچے والوں سے دیر تک یہ حادثہ
چھپا نہ رہا۔ خطرے کا اعلان شکاری بگل اور سیٹی سے
اُس وقت ہوا جب ریچھ روپ پر جھپٹا تھا۔ اب لوگ پہاڑ
کی طرف دوڑ پڑے۔ مگر اُن کی مدد کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔
کیونکہ بجے اور ریچھ گتھم گتھا ہوتے ہوئے برف پر لڑھکے
اور اُس کھڈ کی طرف چلے جس کے منظر کو دیکھنے کا اشتیاق
اس سانحے کا باعث ہوا تھا۔ اس چپقلش میں بجے کی رائفل
چل گئی اور اُس کی خوش قسمتی سے گولی ریچھ کے دماغ کا
گودا باہر پھینک گئی۔ اب کیفیت یہ تھی کہ بجے کی زخمی ٹانگ

سے خون اس قدر نکل چکا تھا کہ اس میں اتنی سکت باقی نہ رہی تھی کہ وہ مردہ ریچھ سے اپنا بدن چھڑا کر سر کے بل کھڈ میں گرنے سے اپنے تئیں بچاتا۔ مگر حسنِ اتفاق اُس کے آڑے آیا۔ ایک اُونچی جگہ نے ریچھ کی لاش کو اچھالا اور وہ بچے کے جسم سے جُدا ہو کر کھڈ کی بھینٹ ہوا۔ اور بچے کا ادھ موا جسم لڑھکتے لڑھکتے ایک بنج کے موٹے تنے میں اُلجھ گیا۔

(۷)

فتح سنگھ۔ مہاراج بڑی خیر رہی! بائی جی بال بال بچیں مبارک ہو۔

دھنراج سنگھ۔ مبارک باد کا موقع جب ہے کہ اُس کا بچانے والا بھی بچ جائے۔

فتح۔ سچ ہے ان داتا! ٹھاکر صاحب پورے چھتری ہیں۔

دھنراج۔ کیسا حوصلہ۔ کتنی جیوٹ۔ مائی کے پوت نے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور اس بیوقوف لڑکی پر آنچ نہ آنے دی۔ یہ جلی ہے ریچھ کو طمنچے سے مارنے۔ اس کی گولی نے اُسے کمزور کر دیا نہیں تو وہ ضرور ریچھ کو

کھڈ میں دھکیل دیتا۔ بائی نے ساری بات سنائی) اب روتی ہے اپنی ہٹ پر۔ پرمیشر نہ کرے کہ ہتیا ہمارے سر چڑھے۔ آہ کیسا سندر اور سوز بیر جوان ہے۔ اور کتنا لائق۔ اصلی سورج بنسی۔ وہ تو بڑی خیریت ہوئی یہ ڈاکٹر پھرتا پھراتا ادھر آ نکلا۔

فتح۔ جی ہاں۔ اُس دن ڈاکٹر نے سرکار سے کچھ کہا تھا۔ خطرہ تو نہیں بتایا۔

دھنراج۔ فتو تم کئی پشت سے ہمارے گھرانے کے رفیق ہو ایک صلاح دو۔ تم سے کیا پردہ ہے، بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کہتا تھا بیہوشی میں جس کا نام وہ بڑبڑاتا ہے وہ شخص اس کا بڑا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس کے پاس ہو تو جلدی اچھا ہو جائے۔ وہ بار بار روپاں کا نام لیتا ہے مجھے یقین ہے روپاں کو بھی اس کا خیال ہے۔ میں نے اسے صاف کہہ دیا ہے کہ اچھا ہو جائے تو دونوں کی مرضی میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور یہ تم نے دیکھا ہی ہے کہ روپاں کس تن دہی سے اُس کی تیمارداری کر رہی ہے۔

فتح - سرکار نے یہ بہت ٹھیک کیا۔ پُرانی باتوں کو اب کہاں تک سینت کر لیے بیٹھے رہیں۔

دھنراج - جب میواڑہ کا رانا اپنے پرکھوں کی آن کو بھلا کر دلّی دوڑا جاتا ہے تو ہم کہاں کے ایسے آئے ہیں کہ پرانے جھمیلوں کو سیتے رہیں اور اُس کی زندگی کا خیال نہ کریں جس نے ہماری بچّی کی جان بچائی۔
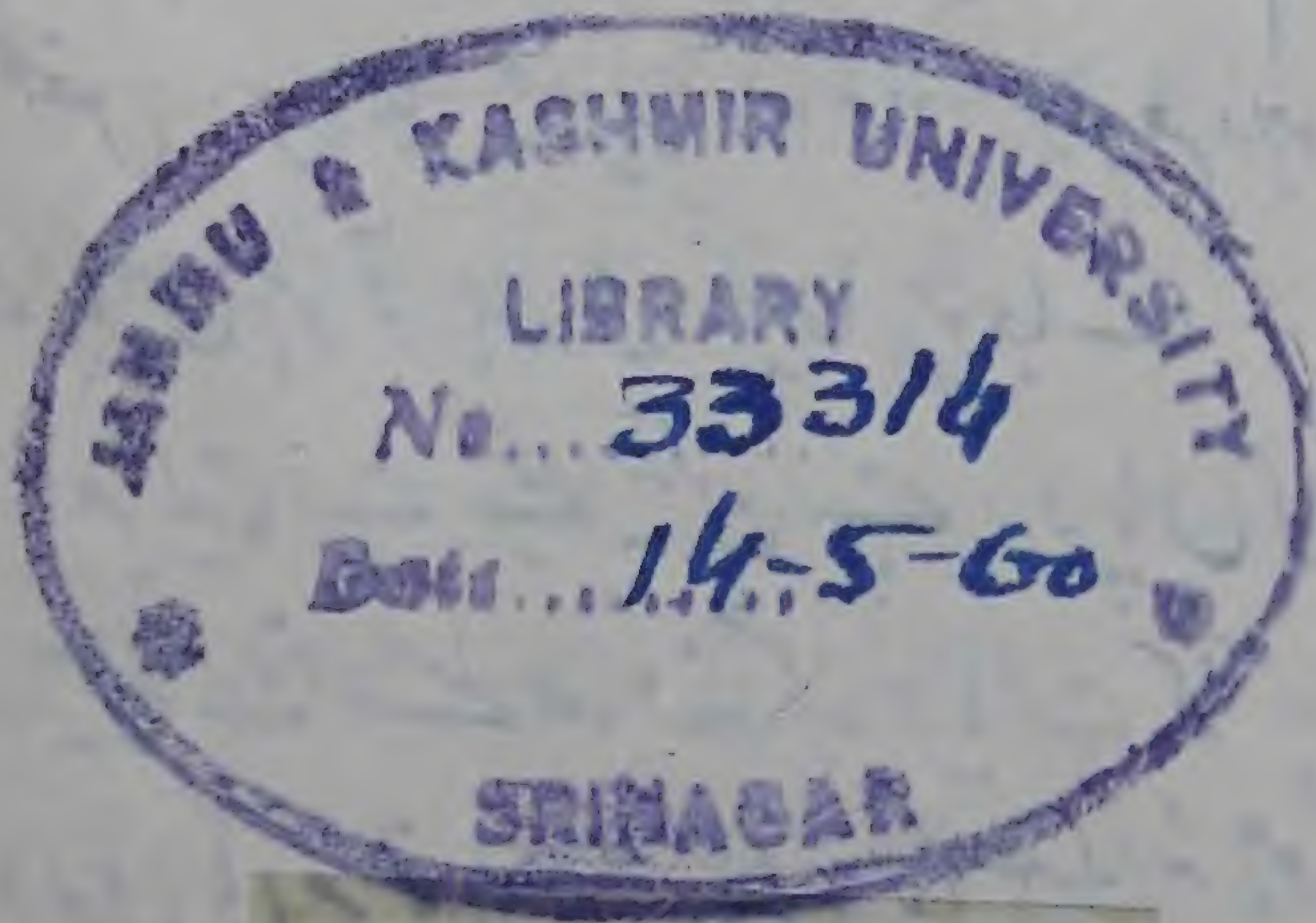
ہماری مطبوعات

۱- سادہ و رنگین افسانے - ظفر قریشی ۔ ۔ ۔ قیمت عا/ ۸/

۲- خانقاہ - ایم اسلم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " عا/ ۱۲/

۳- کنول - اعظم کریوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " عا/ ۱۲/

۴- لیلیٰ کے خطوط - (مصور اور اضافہ) قاضی عبدالغفار عا/ ۱۲/

۵- کارخانہ - فضل الرحمٰن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲/

۶- لہو ترنگ - سکندر علی وجد ۔ ۔ ۔ اول ۲؎، دوم ۳؎

۷- مرمر اور خون - عزیز احمد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/ ۸/

۸- کلیات حسرت - حسرت موہانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳؎ ۸/

۹- تسنیم - قیسی رامپوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ للعہ/

۱۰- جنگ ۱۹۳۹ء کیوں ہوئی - رحمٰن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/ ۸/

۱۱- نوک جھونک - کوثر چاند پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/ ۱۲/

۱۲- مضامین فرحت - مرزا فرحت اللہ بیگ ۔ ۔ ۔ دوم ۲؎، ہفتم ۳؎ ۸/

۱۳- مسکراتے آنسو - بھارت چند کھنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/ ۱۲/

قیمت

۱۴- لینن گراڈ تا سمرقند - عشرت علی صدیقی ...... عہ ۸/

۱۵- بچوں کی کتابیں (بارہ کتابوں کا پہلا سٹ) شجاع احمد قائد ... للعہ/

۱۶- بچوں کی کتابیں (دس کتابوں کا دوسرا سٹ) کوثر چاندپوری، مسلم ضیائی .. للعہ/

۱۷- بچوں کے خطوط (اول - دوم) مولوی عبدالحق .... عہ

۱۸- آسان تاریخ اسلام - ادارہ .... عالہ ۴/

۱۹- انتقادیات (اول - دوم) نیاز فتح پوری .... شے ۸/

۲۰- نئے پرانے - سہیل عظیم آبادی .... عالہ ۱۲/

۲۱- افسانچے - برجموہن دتاتریہ کیفی .... عالہ ۱۲/

۲۲- پرانے خدا - کرشن چندر .... عالہ ۱۲/

۲۳- ایک نواب کی ڈائری - مرزا فرحت اللہ بیگ ... ہے ۱۲/

۲۴- نقش امروز - علی اشرف .... عالہ

۲۵- لیڈی ڈاکٹر حلیمہ خانم - حسن الدین خاموش .... عالہ ۱۲/

۲۶- پاک بیٹیاں - اعجاز الحق قدوسی .... عالہ ۴/

ملنے کا پتہ

کتاب خانہ (انجمن ترقی اردو ہند) عابد روڈ حیدرآباد دکن